بانی جماعت تبلیغ حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
کے نکاح کے موقع پر عظیم الشان وعظ

فوائد الصحبۃ

اللہ والوں کی صحبت کے فوائد وثمرات



حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

باہتمام
جامعہ اشرف المدارس کراچی

بانی جماعتِ تبلیغ حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
کے نکاح کے موقع پر

عظیم الشان وعظ

فوائد الصحبة

(اللہ والوں کی صحبت کے فوائد وثمرات)

از

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

باہتمام

جامعہ اشرف المدارس کراچی

وعظ کا تعارف

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ کے نکاح کا حال بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:

''۶/ ذیقعدہ ۳۰ھ (۱) (۱۷/ اکتوبر ۱۲ء (۲)) کو جمعہ کے دن بعد نمازِ عصر آپ کے حقیقی ماموں رؤف الحسن صاحب کی صاحبزادی سے آپ کا عقد ہوا، مولانا محمد صاحب نے نکاح پڑھایا، مجلسِ عقد میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری، شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، تینوں حضرات موجود تھے، مولانا تھانوی کا مشہور وعظ ''فوائد الصحبۃ'' جو بارہا طبع ہو چکا ہے، اسی تقریب میں کاندھلہ تشریف لے جانے پر اسی دن ہوا''۔

(حضرت مولانا محمد الیاسؒ اوران کی دینی دعوت:۶/ ۶۱)

یہ وعظ حضرت تھانویؒ نے کھڑے ہوکر بعد نمازِ جمعہ تا مغرب (علاوہ وقفۂ نمازِ عصر) ارشاد فرمایا، سامعین کی تعداد تقریباً تین سو تھی، اور اسے مولانا سعید احمد صاحب نے قلم بند فرمایا۔

---

(۱) ۱۳۳۰ھ

(۲) ۱۹۱۲ء

الفہرس

خطبۂ ماثورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا. [سورة الكهف: ٢٨]

اور آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لیے کرتے ہیں اور دنیاوی زندگانی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں ان سے ہٹنے نہ پائیں اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے۔ اور اس کا (یہ) حال حد سے گزر گیا ہے۔ (بیان القرآن)

تمہید

عوام وخواص کی مشترکہ ضرورت

یہ ایک آیت ہے سورۂ کہف کی، اس میں ایک نہایت ضروری مضمون مذکور ہے اور وہ ایسا مضمون ہے کہ اس کی ضرورت عام ہے عوام وخواص سب کے لیے اور ظاہر ہے کہ ایسا مضمون جس کی ضرورت عوام وخواص سب کے متعلق ہو نہایت ہی ضروری ہوگا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ضرورتیں بعض تو صرف عوام کے متعلق ہوتی ہیں اور بعض صرف خواص کے اور بعض عوام وخواص دونوں کے درمیان مشترک ہوتی ہیں۔ اور ہر چند کہ پہلی دونوں ضرورتیں بھی اپنے اپنے درجہ میں ضروری ہوتی ہیں لیکن جو ضرورت مشترک ہو وہ نہایت ہی ضروری ہوگی۔ نیز دوسری وجہ اس کے اہم ہونے کی یہ بھی ہے کہ قاعدہ ہے کہ بعض ضروریات کی تو اہلِ ضرورت کو اطلاع ہوتی ہے مگر کسی وجہ سے اس پر عمل کرنے میں کوتاہی ہوتی ہے اور بعض کی تو اطلاع ہی نہیں ہوتی۔ تو بعضے امور ایسے ہوتے ہیں کہ وہ عوام کے نزدیک نہایت ہی خفیف ہوتے ہیں لیکن واقفینِ حقائق کے نزدیک وہ نہایت ہی اہم ہوتے ہیں، اسی طرح اعمال وامراض میں بھی بعض تو ایسے ہیں کہ ان کی سب کو اطلاع ہے اور گو وہ بھی ضروری ہوتے ہیں مگر زیادہ ضروری وہ ہیں جن کی اطلاع ہی نہ ہو۔ اس آیت میں ایسا مضمون بیان کیا گیا ہے جس کی ضرورت مشترکہ ہونے کے ساتھ خود خبر بھی بہت کم لوگوں کو ہے۔ اور یہ بے خبری کا دعویٰ یا تو لوگوں کے عقیدے سے دریافت کر لیجئے کہ اس مضمون کے متعلق کیا عقیدہ ہے یا طرزِ عمل سے کیونکہ جس امر کے

ساتھ غیر ضروری کا سا برتاؤ کیا جاوے گا یہی سمجھا جاوے گا کہ اس کی ضرورت کی اطلاع ہی نہیں۔ خاص کر جب کہ عقیدہ بھی کسی درجے میں شہادت دے۔ میں اس مضمون کی اجمالی تعیین کیے دیتا ہوں، پھر ترجمہ سے تفصیلاً متعین ہو جاوے گا۔

شانِ نزول

مگر ترجمہ سے قبل اس کے شانِ نزول کا بیان کر دینا مناسب ہے۔

امت پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو شفقت امت پر ہے حتی کہ امتِ دعوت پر بھی اس کا پتہ کتبِ سیر و تواریخ و احادیث سے چل سکتا ہے۔ ان کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہا شفقت تھی سب پر اور اثر اس شفقت کا یہ تھا کہ آپ ہر وقت سوچتے رہتے تھے کہ امت کو کس طرح نفع پہنچے۔ اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس سوچنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کوئی خاص غرض تھی یا اپنے کسی خاص نفع کی تحصیل مقصود تھی، ہرگز نہیں! بلکہ محض امت کے نفع اور اس کی بہبودی کے لیے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس تدبر و تبلیغ پر بلا قصد ثواب مرتب ہو جاوے اور اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نفع بھی پہنچے۔ لیکن یہ نفع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کے وقت پیشِ نظر نہ تھا اور اسی نفع کے اجرِ تبلیغ کی بنا پر خدا تعالیٰ نے ان کفار کے متعلق جن سے بالکل یاس ہو گیا تھا

آیت ﴿سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ......﴾ پر ایک شبہ اور اس کا جواب

یہ فرمایا کہ: ﴿سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَأَنذَرۡتَهُمۡ أَمۡ لَمۡ تُنذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُونَ﴾

یہ نہیں فرمایا کہ "سَوَاءٌ عَلَيْكَ" کیونکہ آپ کے لیے انذار و عدمِ انذار مساوی نہیں تھا، بلکہ انذار پر ثواب مرتب ہوا جو کہ عدمِ انذار کی صورت میں نہ ہوتا اور یہیں سے

اہلِ علم کے نزدیک اس اعتراض کا بھی جواب ہو جاوے گا کہ جب آپ کا انذار و عدمِ انذار مساوی تھا تو ایک عبث فعل آپ کے کیوں سپرد ہوا؟ حاصلِ جواب یہ ہے کہ عبث تو اس وقت کہا جا سکتا تھا کہ جب آپ کے حق میں بھی برابر ہوتا اور جب آپ کے حق میں برابر نہ تھا لِتَرَتُّبِ الثَّوَابِ عَلَى الْاِنْذَارِ وَانْتِفَائِهٖ عَلٰى عَدَمِهٖ (بہ سبب ثواب مرتب ہونے کے ڈرانے پر اور نہ مرتب ہونا نہ ڈرانے پر) تو یہ فعلِ عبث نہ رہا۔ غرض اس میں تو شبہ نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو تبلیغ و انذار پر ثواب تو ملتا ہے لیکن گفتگو یہ ہے کہ یہ ثواب آپ کی نظر میں بھی انذار سے مقصود تھا یا نہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ثواب مقصود نہ تھا کیونکہ اگر آپ کو محض ثواب مقصود ہوتا تو اس قدر دل سوزی کی کیا وجہ تھی؟ ثواب تو صرف تبلیغ پر بھی مرتب ہو جاتا تھا جس کے بابت قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ (شاید آپ اپنی جان کو ہلاک کرنے والے ہیں اس وجہ سے کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں) اور ﴿وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ﴾ (آپ ان پر وکیل نہیں ہیں) اور ﴿لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ﴾ (دوزخ والوں کی نسبت آپ سے سوال نہ ہوگا) ان سب آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بے حد غم تھا ان لوگوں کے ایمان نہ لانے کا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صاف لفظوں میں ارشاد بھی فرمایا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت شفقت

حدیث شریف میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری تمہاری ایسی مثال ہے کہ جیسے کسی نے آگ روشن کی ہو اور پروانے گرتے ہوں وہ شخص ان

پروانوں کو ہٹاتا ہولیکن وہ اس پر غالب آجاتے ہوں۔اسی طرح تم لوگ دوزخ کی آگ میں جان جان کر گرتے ہواور میں تمہاری کمریں پکڑ پکڑ کر ہٹاتا ہوں لیکن تم مجھ پر غالب آئے جاتے ہواور اس میں گھسے جاتے ہو۔ان الفاظ سے ہر زبان دان کو اندازہ ہوسکتا ہے کہ زیادہ مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تھا کہ یہ لوگ آگ سے بچیں اور یہی وجہ تھی کہ اگر کوئی ایسی تجویز آپ کے روبرو پیش کی جاتی جس سے آپ کو اپنے مقصود حاصل ہونے کی امید ہوتی ہو تو آپ اس کو بہت جلد قبول فرمالیتے تھے۔

دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مشرکین کی ایک لایعنی درخواست

اسی سے کفارِ مشرکین کو ایک شرارت سوجھی اور انہوں نے دق کرنے کے لیے مشغلہ نکالا جیسے آج کل مصلحین کے ساتھ کیا جاتا ہے، چنانچہ کفار نے کہا، یارسول اللہ! (یہ تو کیوں کہا ہوگا؟ یا محمد کہا ہوگا) ہم آپ کے پاس آیا کریں تو کچھ سن لیں لیکن چونکہ آپ کے پاس غرباء کا مجمع رہتا ہے جن کے پاس بیٹھتے ہوئے ہمیں عار آتی ہے اس لیے ہم نہیں بیٹھتے، اگر آپ ان کو علیحدہ کر دیا کریں اور ہمارے لیے ایک مستقل مجلس علیحدہ کر دیں اور جس وقت ہم آیا کریں ان کو اٹھا دیا کریں کیونکہ ہمارے پاس بیٹھ کر ان کا حوصلہ بڑھے گا تو ہم حاضر ہوا کریں۔اور اس سے ان کو یہ ہرگز مقصود نہ تھا کہ ہم مسلمان ہوجائیں گے بلکہ محض دق کرنا منظور تھا کہ تھوڑی دیر احباب میں مفارقت ہی رہے گی۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت

کیونکہ صحابۂ کرام کو وہ محبت تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کسی کو نہیں ہوئی۔ اور یہی سبب تھا اطاعتِ کاملہ کا، ورنہ اگر کامل محبت نہ ہو تو اطاعتِ کاملہ ہو نہیں سکتی۔آج کل اکثر دینداروں میں بھی محض ضابطہ کی محبت ہے۔

محبت کی دو قسمیں

صاحبو! بہت بڑا فرق ہے ضابطہ کی محبت میں اور جوش کی محبت میں ۔اول میں تو کوئی نہ کوئی غرض پنہاں ہوتی ہے اور اس میں ضرر فروگزاشت ہو جاتی ہے، وہ محض مصلحت پر مبنی ہوتی ہے اور بسا اوقات ایک مصلحت کے قائم مقام دوسری مصلحت ہو جاتی ہے تو نفس کہتا ہے کہ مقصود تو آگ سے بچنا ہے، اس گناہ کو کر لو اس کے بعد توبہ کر لینا تو آگ سے تو اس طرح بھی بچ جاؤ گے اور یہی وجہ ہے ہم کو ہمارے نفس نے دلیر کر دیا ہے ۔تو آگ سے بچنے کی مصلحت ایک محرکِ عقلی ہے جس پر تقاضائے نفس غالب آسکتا ہے اور محبت محرکِ طبعی ہے کہ اگر یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ ترکِ اطاعت پر عذاب نہ ہوگا تو بھی مخالفت سے شرماتا ہے کیونکہ وہاں داعی الی الاطاعت (اطاعت کی طرف داعی) طبعی ہو جاتا ہے ۔اسی لیے فرماتے ہیں ؎

صنمارہ قلندر سردار بمن نمائی کہ دراز دور بینم رہ و رسم پارسائی

''اے مرشد! مجھ کو قلندری کا راستہ بتلا دیجئے کیونکہ پارسائی کا راستہ تو بہت دور دراز کا ہے''۔

تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اطوع الخلق (تمام مخلوق سے زیادہ اطاعت کرنے والے) ہونا اسی وجہ سے ہے کہ وہ عاشق تھے، نرے مصلحت بین نہ تھے، ان کی یہ حالت تھی ؎

رندِ عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار کارِ ملک ست آنکہ تدبیر و تحمل بایدش

''عاشق کو مصلحت بینی سے کیا تعلق؟ اس کو تو محبوبِ حقیقی کا کام سمجھ کر تحمل اور تدبیر چاہیے''۔

ان کی اطاعت پر مصلحت بھی مرتب ہو جاتی تھی لیکن محبت اور اطاعت مصلحت پر مبنی نہ تھی، ان کی یہ حالت تھی کہ اگر مخالفت کرنا بھی چاہتے تو نہیں ہو سکتی تھی۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت کا ایک قصہ

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے پختہ مکان ڈاٹ دار کسی مصلحت سے بنالیا کہ وہ مصلحت ضرورت کے درجے میں نہ تھی گو انہوں نے کسی درجے میں ضروری سمجھا ہو، اتفاق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک مرتبہ اس طرف سے ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مکان کو دیکھ کر دریافت فرمایا کہ یہ کس کا مکان ہے؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! فلاں شخص کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا اور واپس تشریف لے آئے۔ جب صاحبِ مکان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے سلام عرض کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا وہ دوسری طرف سے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر سے بھی منہ پھیر لیا۔ اب تو ان کو بہت فکر ہوئی انہوں نے دوسرے صحابہ سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ کوئی خاص بات ہے تو ہم کو معلوم نہیں، جب ہاں اتنا ضرور ہوا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مکان کی طرف تشریف لے گئے تھے اور تمہارے مکان کو دیکھ کر دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا مکان ہے؟ ہم نے بتلا دیا تھا، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فرمایا تو نہیں لیکن اس وقت سے خاموش ہیں۔ دیکھئے اس حدیث میں کہیں تصریح نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکان کی بابت کچھ بھی فرمایا ہو، اس لیے صاحبِ مکان کے پاس اس یقین کا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کبیدگی کی وجہ یہ مکان ہی ہے۔ آج کل کی عقل کا تو جس کا نسبت کسی قول ہے۔

آزمودم عقلِ دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

''عقلِ دوراندیش کو آزمالیا، جب اس سے کام نہ چلا تو اپنے کو میں نے دیوانہ بنایا''۔

یہ فتوی ہوتا کہ پوچھ لیتے یہی وجہ ناراضی کی ہے یا کچھ اور؟ اگر یہی تو خیر اس کو گرادیں بلکہ آج کل تو اس پر بھی اکتفا نہ کیا جاتا بلکہ پوچھا جاتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! اس میں خرابی کیا ہے؟ یہ تو فلاں فلاں مصلحتوں پر مبنی ہے۔ جیسا کہ آج کل ورثۃ الانبیاء کے ساتھ ان کے احکامِ خداوندی پہنچانے کے وقت اور منکرات پر تنبیہ کرنے کے وقت معاملہ کیا جارہا ہے تو صحابۂ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بھی ایسا کر سکتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حکم کے اسرار دریافت کرتے جیسا کہ آج کل دریافت کیے جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اسرار کی اطلاع بھی تھی، علماء کو تو اسرار کی خبر بھی نہیں، یہ تو قانون کے عالم ہیں نہ کہ اسرارِ قانون کے عالم، تو اس صورت میں علماء سے اسرار کا دریافت کرنا ہی غلطی ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو صاحبِ وحی ہیں، آپ کو تو اگر بالفرض اسرار کی اطلاع نہ بھی ہوتی تو خدا تعالیٰ سے پوچھ کر بتلا دیتے لیکن ان صحابی نے ان سب کو نظر انداز کر کے وجہِ خفگی کی تعیین کی بھی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ جس میں ذرا سا بھی احتمال سببِ غضب ہونے کا ان کو ہوا اس کو خاک میں ملا دیا یعنی اسی وقت جا کر مکان کو زمین کے برابر کر دیا۔ شاید آج کل کے عقلاء اس حرکت کو خلافِ عقل بتلا دیں کہ محض احتمال پر اتنا مال ضائع کر دیا۔ لیکن اگر خلافِ عقل ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گرانے پر ناخوش ہوتے۔ غرض انہوں نے فوراً مکان گرا دیا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بھی نہیں کی بلکہ اپنی قسمت پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہے کہ جس طرح حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے اتفاقاً مکان کو دیکھ لیا تھا، اسی طرح میرے گرانے کی اطلاع بھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی میری قسمت میں ہے، تو اتفاقاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو جاوے گی۔ کیونکہ جانتے تھے کہ اطلاع تو جب کروں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مکان گرانے کا کچھ احسان ہو، یہ تو محض اپنی ہی بھلائی ہے۔

﴿قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ (اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ فرما دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ ہی تم پر احسان رکھتا ہے کہ تم کو ایمان کی ہدایت فرمائی اگر تم سچے ہو) غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پھر اس طرف جو گزر ہوا تو فرمایا کہ وہ مکان کا کیا ہوا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! صاحبِ مکان کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خفگی کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے فوراً ہی آ کر مکان کو گرا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سن کر بہت خوش ہوئے اور زیادتی تعمیر کی مذمت فرمائی۔ اب دوسرا مسئلہ ہے کہ کتنی تعمیر ضروری ہے جو یہاں مذکور نہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی لغزشیں سب معاف ہیں

تو صحابۂ کرام کی محبت کا یہ عالم تھا اور اس محبت کا مقتضیٰ یہ بھی ہے کہ صحابہؓ کی زلات بالکل معاف ہوں۔ دیکھئے! اگر کسی جانثار خادم سے کبھی کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اس کی پرواہ بھی نہیں کیا کرتے۔ ابھی حال ہی میں ایک واقعہ ہوا کہ ایک صاحب کے بدن میں ایک گہرا زخم ہو گیا تھا، ڈاکٹر نے دیکھ کر کہا کہ اس زخم میں اگر آدمی کا گوشت لے کر بھرا جائے تو یہ برابر ہو جائے۔ اور ان صاحب کا ایک نوکر اس وقت موجود تھا، کہنے لگا کہ میری ران میں سے جس قدر گوشت کی ضرورت ہو لیا جاوے۔ اب بتلایئے کہ اگر

اس خادم سے کبھی کوئی سرسری لغزش ہو جاوے تو کیا وہ آقا اس پر مؤاخذہ کرے گا؟ ہرگز نہیں! پس یہ ہی وجہ ہے کہ صحابہ پر طعن کرنا جائز نہیں۔

مشاجراتِ صحابہ کا نہایت قابل اطمینان جواب

صاحبو! جو مشاجرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہیں اور جتنی لغزشیں ہوئی ہیں اگر ان سے دس حصہ زیادہ ہوتیں، وہ بھی معاف تھیں۔ غضب کی بات ہے کہ آپ اپنے کو قدرداں سمجھتے ہیں کہ وفادار، جان نثار کی لغزش کو قابلِ معافی سمجھتے ہیں اور خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا بھی قدرداں نہیں سمجھتے؟ اسی لیے ہم بلا تامل کہتے ہیں کہ "اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عُدُوْلٌ" (صحابہ سب کے سب عادل ہیں) اور اس حدیث پر اعتماد رکھیں گے۔ "لا یمس النار من رانی" (جس شخص نے مجھ کو دیکھا اس کو آگ نہ چھوئے گی) اور اگر صحابہ کے بعض افعال زلت ہیں تو ہم ان کی نسبت کہیں گے ؎

خونِ شہیداں زآب اولیٰ ترست   ایں خطا از صد ثواب اولیٰ ترست

(شہیدوں کا خون پانی سے اولیٰ تر ہے، یہ خطا سو ثواب سے زیادہ بہتر ہے)۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی جان نثاری کا دوسرا قصہ

غرض صحابہ کی یہ شان تھی اور ان کی اس محبت کا علم اور اندازہ ان کفار کو بھی تھا چنانچہ جب حدیبیہ کی صلح ہوئی ہے اور علی سبیل التعاقب روساءِ کفار مسلمانوں میں آئے ہیں تو ایک رئیس نے جا کر اپنی قوم سے کہا ہے کہ میں نے بڑے بڑے شاہانِ دنیا کا دربار دیکھا ہے، کسریٰ اور قیصر کے درباروں میں شریک ہوا ہوں، مگر کسی کے حشم و خدم کو میں نے اتنا مطیع نہیں دیکھا جس قدر کہ اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مطیع ہیں۔ یہ حالت

ہے کہ اگر آپ تھوک پھینکتے ہیں تو وہ زمین پر نہیں گرتا اور جب وضو کرتے ہیں تو اس کا غسالہ لوگ اپنے ہاتھوں پر لیتے ہیں اور اگر کسی کو نہیں ملتا تو وہ دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مل کر اپنے منہ پر پھیر لیتا ہے، گویا وہ حالت تھی ۔

مرا از زلفِ تو موئے بسند ست   ہوس رارہ مدہ بوی بسند ست

(یعنی اگر محبوب نہ ملے تو اس کا بال ہی کافی ہے، اگر بال بھی نہ ملے تو خوشبو ہی بہت ہے)

صاحبو! بتلایئے یہ بھی کہیں قرآن میں یا حدیث میں حکم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غسالۂ وضو اپنے منہ پر ضرور ملا کرو۔ اللہ اکبر۔ اس وقت بہت جماعتیں صحابہؓ پر طعن کرتی ہیں مگر ان کی اس حالت کو نہیں دیکھتے، بھلا نماز روزہ وغیرہ کہ بابت تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جنت کے شوق میں کرتے تھے لیکن غسالۂ وضو کا حکم وجوبی یا استحبابی کہیں آیت میں تھا کہ اس کو منہ پر مل لیا کرو تو فلاں فضیلت ملے گی؟ اس وقت تو واللہ! بعضے ایسے مستقل مزاج ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھتے تو کبھی حرکت بھی نہ ہوتی۔ کیا اس وقت سو میں ایک شخص بھی ایسا برتاؤ کر سکتا ہے جو صحابۂ کرام نے کیا؟ بلکہ عجیب نہیں کہ اس فعل سے استنکاف کرتے۔

ہمارا زمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعید ہونا رحمت ہے

صاحبو! ہم بڑے خوش قسمت ہیں کہ اس وقت پیدا ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا نہ ہوئے ورنہ ہمارا یہ استنکاف خدا جانے ہم کو کس حد میں داخل کرتا۔ اس وقت جو ہم بہت سی باتوں میں فتویٰ کفر سے بچ جاتے ہیں تو اس لیے کہ علماء تاویل کر لیتے ہیں کہ یہ استنکاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے نہیں بلکہ فلاں

شخص سے ہے جس کے واسطے سے یہ امر اس کو پہنچا ہے۔نسبت الی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (رسول کی طرف نسبت) میں شبہ ہونے سے یہ اعتراض کیا ہے اور ہم اُس وقت ہوتے اور یہ حالت ہوتی تو ہمارے ان افعال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کفر کا فتوی ہوتا۔

دین کے دسویں حصہ پر عمل کا مفہوم

یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک وہ زمانہ آوے گا کہ دسواں حصہ بھی اگر کوئی عمل کرے گا تو اس کی نجات ہو جاوے گی۔مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں پانچ وقت کی نماز فرض تھی تو اب نصف وقت کی نماز کافی ہوگی۔یعنی اگر فرض ووتر کا مجموعہ بیس رکعتیں ہوں تو دو رکعتیں کافی ہو جاویں۔چونکہ یہ شبہ ہو سکتا تھا اس لیے میں اس حدیث کی توضیح کرتا ہوں کہ یہ تخفیف کیفیت کے اعتبار سے ہے نہ کہ کمیت کے اعتبار سے،یعنی اعمال میں جو خلوص اس وقت تھا اگر اس وقت نو حصہ کم بھی ہو تو نجات ہو جائے گی۔تو یہ خدا تعالیٰ کی بڑی رحمت ہم پر ہے کہ ہم زمانۂ تخفیف میں پیدا ہوئے۔ یہ تو تخفیف کا بیان ہے۔

تاویل کی مثال

اور تاویل کی مثال یہ ہے کہ مثلاً بیوہ کا نکاحِ ثانی ہے کہ اس سے عام طور پر قلوب میں تنگی ہے یعنی جیسا اول مرتبہ دل ہوتا ہے دوسری مرتبہ نکاح کرنے میں اتنا دل کھلا ہوا نہیں ہوتا۔آگے یہ دیکھ لیجئے کہ خداوند تعالیٰ اسی تنگی کی نسبت کیا فرما رہے ہیں:

﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ

اَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾.

ترجمہ: (تیرے رب کی قسم ہے یہ لوگ مومن نہ ہوں گے تاوقتیکہ آپ کو اپنے جھگڑوں میں حکم نہ بناویں جو آپ فیصلہ فرماویں اس پر اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پوری طرح تسلیم کرلیں)

تو اس پر کیا فتویٰ ہوتا، مگر اس وقت ہم ان لوگوں کی اس تنگی کی یہ تاویل کر لیتے ہیں کہ یہ حکمِ شرعی سے استنکاف نہیں ہے بلکہ عرف کی وجہ سے طبعی شرم آتی ہے۔

یقینی امرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کفر ہے

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو فرما دیتے کہ نکاحِ ثانی کرو اور اس کے قلب میں اس سے تنگی پیدا ہوتی تو اس وقت کیا بچاؤ ہوتا کیونکہ خطابِ خاص خود دلیل ہوتی بطلان عذر کے لیے اور اس کے لیے نظیر موجود ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کرنا چاہا اور حضرت زینبؓ بوجہ عالی خاندان کے ہونے کے ذرا رکتی تھیں اور اسی طرح ان کے بھائی بھی، فوراً یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْراً اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ﴾

(کسی مومن اور مومنہ کو شایاں نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی امر کا فیصلہ فرماویں تو اس امر میں ان کو اختیار ہو)

حالانکہ یہ ایک دنیا کا معاملہ تھا لیکن اس میں بھی حکمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چون و چرا کرنے کی اجازت نہیں ہوئی تو معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

خواہ دنیا کا کام بتلا دیں یا دین کا کام بتلا دیں مگر جس کو فیصلہ کر کے فرما دیں اس سے انکار کفر ہے تو اُس وقت اگر ہم انکار کرتے تو فوراً کافر ہو جاتے اور اِس وقت تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ مولویوں کے طرزِ بیان سے استنکاف ہے نہ کہ حکمِ شریعت سے، تو ہمارے لیے اس زمانہ سے بعید ہونا ہی رحمت ہوا۔ یہ صحابہؓ ہی کا حوصلہ تھا کہ انہوں نے اپنا مال، اپنی جان، اولاد، گھر بار اپنے مصالح سب آپ کے سپرد کر دیئے تھے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی اطاعت اور انقیاد کی ایک عجیب حکایت

یہ حالت تھی کہ میں نے ایک مقام پر دیکھا ہے مگر اس وقت یاد نہیں کہ ایک شخص ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اس کو دیکھ بھی لیا ہے؟ مقصود یہ تھا کہ کسی تدبیر سے ایک مرتبہ اس کو دیکھ لو، یہ مطلب نہ تھا کہ جا کر اس عورت کے ماں باپ کو پیغام دو کہ مجھے اپنی لڑکی دکھلا دیں، مگر وہ ایسے بھولے بھالے تھے کہ جا کر اس عورت کے ماں باپ کو پیغام دیا کہ مجھے اپنی لڑکی دکھلا دو۔ اس لڑکی کے ماں باپ کو یہ بات ناگوار ہوگئی۔ انہوں نے کچھ کہنا چاہا۔ پسِ پردہ لڑکی بھی موجود تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر فوراً پردہ ہٹا دیا اور اپنے ماں باپ سے کہا کہ خبردار حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بعد کچھ نہ بولنا اور اس شخص سے کہا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے تو میں حاضر ہوں، تم مجھے دیکھ لو۔ صاحبو! یہ محبت کا خاصہ ہے، اس میں مصالح اور ننگ و عار سب بالائے طاق رکھے جاتے ہیں۔

فرماتے ہیں ؎

شاد باش اے عشق خود سودائے ما — اے دوائے جملہ علتہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموسِ ما — اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

(اے عشق! خدا تجھ کو خوش رکھے، تو ایسا ہے کہ تیری بدولت خیالات درست ہوجاتے ہیں اور تجھ سے تمام امراض کا علاج ہوجاتا ہے، تجھ سے نخوت وناموس کا دفعیہ ہوجاتا ہے، تو ہمارے لیے مثل افلاطون اور جالینوس کے ہے)۔ کیا اچھی بات فرمائی کہ اے دوائے نخوت وناموسِ ما۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانثاری کا ایک اور واقعہ

صاحبو! یہ حالت تھی کہ کثرت سے صحابیات نے مختلف اوقات میں آکر حضور میں عرض کیا کہ آپ ہم کو قبول فرمالیجئے اور اپنی کنیزی میں لے لیجئے اور آپ نے فرمادیا کہ مجھے ضرورت نہیں ہے، پھر کیا اس فعل پر ان کی مذمت کی گئی، ہرگز نہیں! ان کی جو قدر کی گئی، اس کو بھی سن لیجئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی نے ایک مرتبہ ایسے ہی واقعہ پر یہ کہہ دیا کہ ما اقل حیاء ھا (کیسی بے شرم ہے) حضرت انسؓ بگڑ گئے اور فرمایا کہ وہ تجھ سے ہزار درجہ اچھی تھی کہ اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتی تھی۔

ولی کا صحابہ کے برابر نہ ہونے کا راز

اور یہی راز ہے کہ غیر صحابی خواہ کتنا ہی بڑا ہوجاوے لیکن صحابی کے برابر نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ حضرت غوث الاعظمؒ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا کہ اگر معاویہ گھوڑے پر سوار ہوں اور اس کے پیروں کی گرد اڑ کر اس گھوڑے کی ناک پر جابیٹھے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے گھوڑے کی وہ ناک کی گرد عمرو بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اور اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے افضل ہے۔ ہم کو اس فتوے کی قدر نہیں ہے مگر اہلِ محبت جانتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظمؒ نے کیا بات فرمائی۔ قدرِ گوہر

شاہ داند یا بداند جوہری۔ (گوہر کی قدر بادشاہ جانتا ہے یا جوہری جانتا ہے) تو صحابہ میں بڑی بات یہ تھی کہ وہ حضرات پورے عاشق تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے علمی عملی وہ اصلاح کی کہ نہ کوئی فلسفی اپنی قوم کی کر سکا اور نہ کوئی سلطان اپنی رعایا کی کر سکا کیونکہ ان کے پاس تو نور ہی دوسرا تھا، جس کو فرماتے ہیں:

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ (کیا جو مردہ ہو پس اس کو ہم زندگی بخشیں اور اس کے لیے ایک نور کر دیں کہ وہ اس کو لوگوں میں لیے پھرتا ہے) اس کو نور سے تعبیر کیجئے یا برکت صحبت کہئے، سب کا خلاصہ ایک ہی ہے

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُكَ وَاحِدٌ وَكُلٌّ اِلٰی ذَاكَ الْجَمَالِ يُشِيْرٌ

(ہمارے عنواناتِ بیاں مختلف ہیں مگر تیرا حسن ایک ہی ہے اور ہر عنوان اسی حسن کی طرف اشارہ کرتا ہے)

اگر ہم بھی اس مقام پر پہنچنا چاہیں جس پر صحابہ تھے (یعنی باعتبار عطا کے کیونکہ وہ جاہ تو ہم کو کہاں نصیب)

حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے وابستگی کی ضرورت

تو صورت یہ ہے کہ ہم ان سے وابستگی اطاعت کی پیدا کرلیں کہ اس کے بدولت انہی کے ساتھ ساتھ لگے چلے جاویں جیسے ایک انجن پشاور سے چلے اور کلکتہ پہنچے اور ایک ٹوٹی ہوئی گاڑی بھی کلکتہ پہنچنے کی متمنی ہو تو اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ اس انجن کے ساتھ اپنی زنجیر ملا دے۔ تو اب ہمارا بھی یہی کام ہونا چاہئے کہ ہم صحابہ کے ساتھ تعلق پیدا کریں۔ خیر یہ سب جملہ معترضہ تھے مقصود یہ تھا کہ صحابہ کی محبت کا یہ عالم تھا اور کفار کو بھی اس کا علم تھا اس لیے ان کا مقصود یہ تھا کہ تھوڑی دیر کے لیے ان میں جدائی

ہی ڈال دیں تو یہ رنگ لائے مگر دوستی کے پیرایہ میں

دشمن ارچہ دوستانہ گویدت دام داں گرچہ زدانہ گویدت
زانکہ صیاد آورد بانگِ صفیر تا کہ گیرد مرغ راآں مرغ گیر

(دشمن اگرچہ کوئی بات دوستانہ طریق پر تم سے کہے مگر تم اس کو دھوکہ ہی سمجھو کیونکہ شکاری جانوروں کو پکڑنے کے لیے ان ہی جیسی آوازیں نکالا کرتے ہیں)

بدخواہوں کا ہمیشہ قاعدہ ہے کہ برنگِ خیر خواہی بدخواہی کیا کرتے ہیں، دنیا میں بہت سے لوگوں نے مسلمانوں سے ایسا کیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ان کفار نے یہی معاملہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست عجیب تھی لیکن احتمال سے کہ شاید یہ اسی طرح ایمان لے آویں اس شرط کو منظور فرمالیا۔ رہا صحابہ کے رنج کا خیال تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو اپنے ہیں، ان کو تو اگر ساری عمر کے لیے الگ کردیں تب بھی الگ ہو جاویں گے کیونکہ وہ تو طالبِ رضا ہیں ان کی تو وہ حالت ہے کہ ۔

اُرِیْدُ وِصَالَہٗ وَیُرِیْدُ ھَجْرِیْ فَاَتْرُکُ مَااُرِیْدَ لِمَا یُرِیْدُ

(میں اس کے وصال کا خواہشمند ہوں اور وہ فراق چاہتا ہے تو اس کی خاطر میں اپنی خواہش چھوڑ دیتا ہوں)

فراق ووصل چہ باشد رضائے دوست طلب کہ حیف باشد از غیر اوتمنائے

(کیسا وصال اور کس کا فراق؟ رضائے محبوب کی تمنا ہونی چاہئے۔ اس سکے غیر سے تمنا باعثِ افسوس ہوگا)

رضائے محبوب کا اتباع ضروری ہے

یہاں سے ایک اور جملہ مفیدہ یاد آ گیا کہ جب عاشق پر رضائے محبوب کا اتباع ضروری ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صحابہ عاجل مصلحت پر نظر نہ کرتے تھے گو مصلحت اس پر مرتب ہو جائے تو اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ احکامِ شرعیہ میں گو مصلحت ہو مگر اطاعت اس پر موقوف نہ ہونا چاہئے بلکہ اطاعت محض رضا کے لیے ہو۔ دیکھئے اگر کسی عورت سے عشق ہو جاوے اور وہ حکم کرے کہ میں جب ملوں گی جب تم پاجامہ چڑھا کر، سر پر ٹوکرا رکھ کر، جوتے نکال کر فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک دس چکر لگاؤ، تو یہ ہرگز نہیں پوچھے گا کہ اس میں مصلحت کیا ہے؟

رندِ عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار الخ (عاشق کو مصلحت بینی کیا کام)

اگر عاشق ہے تو بیس دفعہ کر دکھائے گا۔ کہاں کی تہذیب اور کس کی عار، وہ اس تہذیب کو تعذیب سمجھے گا کیونکہ مانعِ وصالِ یار ہے، ایسے وقت پر تو مصلحت بینی اس شخص کا کام ہے جو فارغ عن المحبۃ ہو۔

احکامِ شرعیہ کی حکمتیں معلوم کرنے کا طریق

اور میں یہ نہیں کہتا کہ احکامِ شرعیہ میں حکمتیں نہیں ہیں، حکمتیں ضرور ہیں مگر اول تو ہم کو ان کا احاطہ نہیں، دوسرے یہ کہ ان کے ادراک کا طریقہ یہ نہیں جو اختیار کیا گیا ہے، بلکہ وہ محض موہوب ہیں جن کا اکثر ترتب تقویٰ پر ہوا ہے۔ ذرا تاریخ میں دیکھئے کہ امت میں جو بڑے بڑے لوگ جیسے شاہ ولی اللہ، ابن العربی، عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ گزرے ہیں اور انہوں نے حکم و اسرار شریعت کے لکھے ہیں تو کیا انہوں نے ان اسرار کو کسی مدرسہ میں سیکھا تھا، یا کسی مناظرہ سے حاصل کیا تھا؟ ہرگز نہیں! مگر یہ بات

اختیار کی تھی کہ مدرسہ سے نکل کر علم پر عمل کرنا شروع کر دیا، خلوص اختیار کیا، اس سے ان کے قلب میں ایک نور پیدا ہوا جس کی بدولت ان کو سب کچھ منکشف ہو گیا۔

اسی کو کہتے ہیں

بینی اندر خود علومِ انبیاء بے کتاب و بے معید واوستا

(تم کو بے معین اور بغیر استاد و کتاب کے انبیاء جیسے علوم حاصل ہوں گے)

تو اگر اسرار معلوم ہونے کا کوئی طریقہ ہے تو یہ ہے لیکن اس پر بھی طالبِ حق کو اسرار کی ہوس نہ ہونا چاہئے۔ اس لیے کہ یہ محبت کے خلاف ہے، جب ایک مردار کا عاشق اس کی فرمائش کا راز دریافت نہیں کرتا اور خواہ بعد میں یہی معلوم ہو کہ اس میں خاک بھی مصلحت نہ تھی، مگر اطاعت میں کس طرح دوڑتا ہے تو طالبِ حق اور عاشقِ خدا کو ایسی کاوش کب زیبا ہے۔ غرض ایسی کاوش طریقِ محبت کے بالکل خلاف ہے۔ طریقِ عشق تو اطاعت میں دیوانہ ہوتا ہے کہ

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد

(وہی دیوانہ ہے جو دیوانہ نہ ہوا)

صاحبو! اگر آپ اس کے نظائر دنیا میں نہ برتتے تو میں آپ سے ہرگز یہ خطاب نہ کرتا لیکن جبکہ آپ محبوبانِ مجازی کے ساتھ یہ برتاؤ کرتے ہیں کہ ان کے ہر حکم کو بغیر دریافتِ اسرار پورا بجالاتے ہیں نیز حکامِ مجاز کے ساتھ بھی آپ کا یہی برتاؤ ہے کہ اگر صاحب کلکٹر آپ سے یہ کہے کہ ہم کو آج رات کے وقت دو بجے فلاں مقام پر تم سے فلاں امر میں مشورہ کرنا ہے جس کو ہم پرسوں انجام دیں گے تو آپ کے دل میں کبھی یہ وسوسہ بھی نہ آوے گا کہ جب پرسوں اس کام کو کیا جاوے گا تو دن میں بھی تو اسی کی بابت

مشورہ ہوسکتا ہے پھر رات کو مجھے بے چین کرنے سے کیا فائدہ اور اگر وسوسہ آوے گا بھی تو آپ اس کو دفع کر دیں گے کہ خواہ کوئی مصلحت ہو یا نہ ہو ہمیں تو ان کی رضامندی مقصود ہے تو جب اہلِ محبت اور اہلِ حکومت کے ساتھ آپ کا یہ برتاؤ ہے تو خدا تعالیٰ کے ساتھ کیوں نہیں ہے؟ کیا خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تحقیقاتِ مصالح کی مشق کے لیے تم کو ملے ہیں؟ اور اگر دونوں موقعوں میں کوئی فرق ہے تو بتلائیے اور فرق نہیں تو پھر یہاں لِمَ کَانَ کَذَا اور کَیْفَ کَانَ کَذَا. (یہ کیوں ہوا اور کیسے ہوا) کیوں ہے؟

بلکہ خدا تعالیٰ محبوب بھی ہیں اور حاکم بھی تو یہاں بدرجۂ اولیٰ یہ حالت ہونی چاہئے کہ

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی رضائے تو جان شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

(آپ اگر زندگی بخشیں تو زہے نصیب! اور موت دے دیں تو زہے قسمت! جب دل آپ کا عاشق ہو گیا تو پھر آپ جو چاہیں کریں)

زبان تازہ کردن باقرارِ تو نیگیختن علت از کارِ تو

(آپ کی ربوبیت کا اقرار کرنا آپ کے کاموں میں علتیں نکالنے کا مانع ہے)

کیا معنی چوں و چرا کے اور ہمارا حق ہی کیا ہے؟ ہم کو نسبت ہی کیا ہے کہ ہم چوں و چرا کریں؟ ہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ مخالفانِ اسلام کا منہ بند کرنے کے لیے ہم اسرار پوچھتے ہیں اور ان کا منہ بند کرنا ضروری تو ہم کو اسرار بتلانا بھی ضروری۔ لیکن اگر میں مخالفین کے لیے اس سے اچھا جواب آپ کو بتلا دوں اور آپ کے اس جواب کا مخدوش ہونا ثابت کر دوں پھر تو یقیناً اس شبہ کی گنجائش نہ رہے گی، اس کا بیان یہ ہے کہ مسلمان دو قسم کے ہیں، ایک اہلِ علم دوسرے عوام۔ تو اگر آپ عوام میں سے ہیں تب تو سیدھی بات یہ ہے کہ معترض کو عالم کا نام بتلا دیجئے کہ ان سے پوچھو، ہم زیادہ نہیں جانتے اور اگر اہلِ

علم میں سے ہیں یا وہ آپ کو ذی علم سمجھتا ہے تو اس کے لیے دوسرا جواب ہے، وہ یہ کہ آپ یوں کہیں کہ احکام قوانین ہیں، ان کے اسرار اسرارِ قوانین ہیں اور ہم قانون کے جاننے والے ہیں، اسرارِ قانون ہم نہیں جانتے، نہ ان کا بتلانا ہمارے ذمہ واجب ہے۔ دیکھئے اگر صاحب جج کسی مقدمہ میں ڈگری دیدیں تو مدعا علیہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ جس قانون کی رو سے آپ نے ڈگری دی ہے میں اس قانون کو تو مانتا ہوں لیکن مجھ کو خود اس میں یہ کلام ہے کہ یہ قانون مصلحت کے خلاف ہے، اس لیے آپ اس کا راز بتلاویں۔ اور اگر وہ ایسا کہے بھی تو اس کو توہینِ عدالت اور جرم سمجھا جاوے گا اور اس پر صاحب جج کو حق ہوگا کہ توہینِ عدالت کا اس پر مقدمہ کرے اور اگر مقدمہ بھی قائم نہ کیا تو اتنا ضرور کرے گا کہ کان پکڑ کر اس کو عدالت سے باہر کر دے گا۔ اور اگر اس وقت اس کی طبیعت میں حکومت کے بجائے حکمت غالب ہوئی تو یہ جواب دے گا کہ ہم عالمِ قانون ہیں۔ واضعِ قانون خدا تعالیٰ ہے، مصالح ان سے پوچھ لینا، وہ جواب دیں گے، خواہ اسرار بتلانے سے خواہ دماغ کی اصلاح کرنے سے اور یہ فروعِ اسلام کے متعلق جواب ہے۔ البتہ اگر مخالفِ اسلام کو نفسِ اسلام کی حقانیت تحقیق کرنا منظور ہے تو اصولِ اسلام میں عقلی گفتگو کریں گے، ان میں ہم یہ مذکور جواب نہ دیں گے بلکہ اس کی حقانیت کے دلائلِ عقلیہ بتلائیں گے خواہ دس برس تک ہم سے کوئی پوچھ جائے اور اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص سلطنت سے باغی ہو جائے اور بادشاہ کو بادشاہ نہ مانتا ہو اور آپ اس سے منوانا چاہیں اور وہ اس کے ماننے کے لیے یہ طریقہ اختیار کرے کہ آپ سے ہر قانون کی مصلحت دریافت کرے تو آپ ہرگز اس کو یہ راہ نہ دیں گے اور اس کی تطویل لاطائل سمجھیں گے اور اس شغل کو فضول قرار دیں گے البتہ یہ کریں گے کہ بدلائل بادشاہ کو بادشاہ ثابت کریں

گے اور قانون کو اس کا قانون ثابت کریں گے پھر جس قانون کی نسبت وہ دریافت کرے گا اور اس کی مصلحت پوچھے گا آپ اس کے جواب میں یہی کہیں گے کہ ہم اس کی مصلحت نہیں جانتے، وہ بادشاہ ہے اور یہ اس کا قانون ہے اور بادشاہ کا قانون واجب العمل ہوتا ہے پس یہ بھی واجب العمل ہے۔ بعینہٖ یہی تقریر خدا تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام میں بھی جاری کریں گے کہ دلائلِ عقلیہ سے ایک ان کا صادق ہونا دوسرا ان احکام کا ان کی طرف منسوب ہونا ثابت کریں گے۔ اور فروغ میں اتنا ہی کہہ دیں گے یہ صادق کے احکام ہیں اور ایسے احکام واجب الامتثال ہیں۔

دوسری نظیر لیجئے حکیم عبدالمجید خان کا حکیم ہونا تو محتاجِ دلیل ہے لیکن ان کے حکیم مان لینے کے بعد کسی مریض کو یہ اختیار نہیں کہ ان کی تجویز کردہ ادویہ میں چوں و چرا کرے اور اس کی لِمّ ان سے دریافت کرے، پس جب دنیاوی معاملات میں یہ امر مسلم ہے تو شریعت کے احکام میں کیوں چوں و چرا کیا جاتا ہے؟ صاحبو! یہ نہ سمجھیں کہ مولوی احکام کے مصالح نہیں جانتے ہیں، ان کے پاس سب کچھ ذخیرہ موجود ہے لیکن ۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلسِ رنداں خبرے نیست کہ نیست

(مصلحت نہیں ہے کہ راز آشکار ہو جائے ورنہ رندوں کی مجلس میں کوئی ایسی خبر نہیں کہ معلوم نہ ہو)

میرے پاس اگر کوئی دو برس رہے تو میں انشاء اللہ تعالیٰ ثابت کر دوں گا کہ ہر حکم شریعت میں حِکَمِ عقلیہ ہیں مگر ہم ان کو علومِ عظیمہ نہیں سمجھتے کیونکہ وہ سب ظنی ہیں۔ لوگوں نے بہت سے حِکَم لکھے ہیں اور اب بھی الہام سے ہوتے ہیں مگر یہ سب علومِ ظنیہ ہیں، اس لیے علماء اس میں مشغول نہیں ہوتے۔

علماء کو احکامِ شرعیہ کی حکمتیں بیان نہ کرنی چاہیں

دوسرے اس میں بھی یہ خرابی ہے کہ اگر کبھی وہ ظنیت کے سبب مخدوش ہو گئے۔ اور حکم بزعمِ سامع اسی پر مبنی تھا تو اس کے منہدم ہو جانے سے حکمِ شریعت بھی منہدم ہو جاوے گا۔لہٰذا بیانِ اسرار سے جواب دینا بے غبار رستہ نہیں۔صاف جواب یہی دینا چاہئے کہ ہم اسرار نہیں جانتے۔قیامت میں خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لینا۔دیکھو اگر ابھی ایک منادی کرنے والا منادی کرے کہ صاحب کلکٹر کا یہ حکم ہے تو کوئی بھی اس سے گلخپ ہوتا ہے کہ حکمت اس حکم کی بیان کرو ورنہ نری منادی ہے، تعصب ہے۔پس ہم کہیں گے جب منادی کرنے والے سے گلخپ ہو گے اور اس کو اس منادی کے مصالح بتلانے پر مجبور کرو گے تو ہم بھی بتلا دیں گے۔غرض حِکم و اسرار کا علم ہم کو ہے، الحمدللہ! ہم جانتے ہیں، لیکن وہ ظنی ہیں۔علمِ قطعی یہ ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے اور خدا تعالیٰ حکم قطعی ہے لہٰذا یہ قطعی۔بس یہ ہے علمِ قطعی کہ مگر بات یہ ہے کہ قطعی علم میں مزا نہیں ہوتا اور اختراعات میں لذت ہوتی ہے، یہ ہے اس مرض کی اصل وجہ، اس پر مجھے حکایت یاد آئی کہ میں شاہ جہاں پور سے سفر کر رہا تھا،

ایک جنٹلمین اور اس کے سوال کا جواب

ایک جنٹلمین گاڑی میں بیٹھے تھے، ایک اسٹیشن پر ان کے خادم نے آکر اطلاع دی کہ حضور وہ تو سنبھلتا نہیں، کہنے لگے کہ یہاں پہنچا دو۔یہ سن کر مجھے تعجب ہوا کہ وہ کون چیز ان کے ساتھ ہو گی اور جو خادم سے نہیں سنبھل سکی اور اب یہ گاڑی میں منگا کر اس کو سنبھال لیں گے، آخر چند بعد دیکھا کہ خادم صاحب ایک بہت بڑے اونچے کتے کو زنجیر سے باندھے ہوئے لا رہے ہیں اور وہ کتا زور کر رہا ہے، آخر وہ ان کے سپرد کیا گیا۔

انہوں نے ریل کی آہنی سلاخوں سے اس زنجیر کو باندھ دیا، اس کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ جناب! کتے کا پالنا حرام ہوا، باوجود یہ کہ اس میں فلاں وصف ہے اور فلاں وصف ہے۔ انہوں نے اتنے وصف بیان کیے کہ شاید ان میں بھی نہ ہوں۔ میں سب سنتا رہا۔ جب وہ کہہ چکے تو میں نے کہا کہ جناب! میں نے سن لیا، اس کے دو جواب ہیں ایک عام کہ وہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے شبہات کا جواب ہے اور ایک خاص کہ وہ خاص اس کے متعلق ہے، کونسا عرض کروں؟ فرمانے لگے دونوں کہہ دیجئے۔

کتا پالنا کیوں حرام ہے

میں نے کہا جوابِ عام تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے اور یہ جواب عام اس لیے ہے کہ قیامت تک کے لیے شبہات کا جواب ہے البتہ اس میں دو مقدمے ہیں ایک یہ کہ آپ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، دوسرے یہ کہ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، اگر ان میں کلام ہو تو ثابت کروں؟ کہنے لگے کہ یہ تو ایمان ہے۔ یہ تو عام جواب تھا اور یہ علمی اور حقیقی جواب تھا لیکن ان کو اس کی قدر نہ ہوئی اور کچھ حظ نہ آیا کہنے لگے کہ جناب! اور جوابِ خاص کیا ہے؟ میں نے کہا کہ وہ یہ ہے کہ کتے میں جس قدر اوصاف آپ نے بیان کیے واقعۃً وہ سب ہیں لیکن باوجود ان اوصاف کے اس میں ایک عیب اتنا بڑا ہے کہ اس نے تمام اوصاف کو خاک میں ملا دیا وہ یہ کہ اس میں قومی ہمدردی نہیں ہوتی، آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک کتا دوسرے کتے کو دیکھ کر کس قدر از خود رفتہ ہو جاتا ہے۔ اس جواب کو سن کر وہ بہت ہی محفوظ ہوئے اور وہ اس کو جوابِ قطعی سمجھے۔ حالانکہ یہ محض ایک نکتہ ہے، مجھے تو خبر نہ تھی کہ یہ کون ہیں، اتفاق سے جب

میں اٹاوہ سے بریلی آیا تو مولوی ظہور الاسلام صاحب تحصیل دار کہنے لگے کہ آپ سے اس قسم کی گفتگو کسی سے ہوئی تھی؟ میں نے کہا کہ ہوئی تو تھی، فرمانے لگے کہ علی گڑھ کالج کے طالب علم اس جواب کا تذکرہ کررہے تھے اور اس جواب سے بہت خوش تھے۔ مجھ کو اس سے گمان ہوا کہ شاید وہاں کے تعلیم یافتہ ہوں۔ میں نے اس کو اس لیے ذکر کیا کہ میں یہ بتلادوں کہ جس جواب پر وہ اس قدر خوش تھے علاوہ فضول ہونے کے میری نظر میں اس کی کچھ بھی وقعت نہ تھی اور میں اس کو جواب ہی نہیں سمجھتا تھا۔ غرض علت اور حکمت کا دریافت کرنا عشق ومحبت کے بھی بالکل خلاف ہے جیسا اوپر ذکر کیا گیا ہے، ہاں اگر یہ کہو کہ ہم عاشق ہی نہیں تو دوسری بات ہے لیکن خدا تعالیٰ اس کی بھی نفی کرتے ہیں، فرماتے ہیں، وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (اور مؤمنین اللہ تعالیٰ کی محبت میں زیادہ شدید ہیں) شدت کو عشق کہتے ہیں۔

قرآن وحدیث میں عشق کا لفظ نہ آنے کی وجہ

عشق چونکہ پامال لفظ تھا، اس لیے قرآن وحدیث میں اس کو کہیں استعمال نہیں کیا گیا۔ اور اس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں عشق کا لفظ استعمال کرنا بے ادبی ہے، اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص وائسرائے کی تعریف کرنے لگے اور یہ کہے کہ ان کو کانسٹیبل کے اختیارات بھی حاصل ہیں تو اگرچہ واقع کے اعتبار سے یہ صحیح ہے لیکن یہ مدح سخت ہجو اور بے ادبی ہے بلکہ بعض اوقات بعض ایسے امر کی نفی بھی موہم نقص ہوجاتی ہے۔

شاہ را گوید کسے جولاہ نیست ۔۔۔ ایں نہ مدح است او مگر آگاہ نیست

(بادشاہ کو کوئی شخص کہے کہ وہ جولاہا نہیں، یہ اس کی تعریف نہیں ہے بلکہ وہ

بادشاہ کے مرتبہ سے واقف نہیں ہے)

تو جس کی نفی بھی مدح نہ ہو اس کا اثبات کیسے مدح ہو جاوے گا؟ وہ تو اور بھی زیادہ قدح ہوگا تو لفظِ عشق کو خدا تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال نہ کرنا چاہئے۔ قرآن و حدیث میں بھی اس کو استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ ہاں شدتِ حب کا لفظ آیا ہے تو جب خدا تعالیٰ ہی فرما چکے ہیں کہ تم عاشق ہو تو عشق سے انکار کیسے کر سکتے ہو۔ پس عاشق کا مذہب اختیار کرو۔ خوب کہا ہے۔

یا مکن با پیل بانان دوستی   یا بنا کن خانہ براندازِ پیل

(یا تو ہاتھی والوں سے دوستی نہ کرو، ورنہ اپنا گھر اتنا بڑا بنواؤ کہ اس میں ہاتھی آسکے)

یا مکش بر چہرہ نیلِ عاشقی   یا فروشو جامۂ تقویٰ بہ نیل

(یا تو چہرہ پر عاشقی مت گدواؤ یا جامۂ تقویٰ کو نیل سے دھو ڈالو)

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ زبردستی کھینچ کر ہم کو عاشقین میں داخل کیا گیا ہے گویا ہماری وہ حالت ہے کہ ہم بھاگتے ہیں اور ہم کو پکڑ پکڑ کر بلایا جاتا ہے کہ تم تو ہمارے ہو، تم کہاں چلے؟! حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے بہت تعجب کرتے ہیں یعنی خوش ہوتے ہیں جو زنجیروں میں جکڑ کر جنت میں داخل کیے جاتے ہیں۔

طریقِ محبت میں قدم رکھنے سے اسرار کا خزانہ ملتا ہے

سو صحابۂ کرام کا انداز بھی عشق تھا جیسا اوپر مذکور ہوا، وہی تم بھی اختیار کرو۔ اور اس کے برکات میں سے ایک یہ بھی ممکن ہے کہ تم کو وہ علوم بھی عطا ہو جاویں جن کے تم طالب ہو یعنی اسرار، دیکھو اگر کوئی بادشاہ سے کہے کہ ہم کو اپنا خزانہ دکھلاؤ تو اس کو گستاخ

سمجھا جاوے گا۔ البتہ اگر خزانہ دیکھنے کی تمنا ہے تو اس کی اطاعت کرو، اس سے بے تکلفی پیدا کرو، پھر ممکن ہے کہ ایک دن ایسی عنایت ہو کہ بادشاہ تم کو خود ہی خزانہ پر لے جا کر کھڑا کر دے گا۔ خوب کہا ہے۔

فہم وخاطر تیز کردن نیست راہ　　　جز شکستہ می نگیرد فضلِ شاہ

(فہم وخاطر تیز کرنا یہ حق تک پہنچنے کی راہ نہیں ہے بلکہ شکستگی ضروری ہے، بجز شکستی لوگوں کے فضلِ خداوندی کسی کو قبول نہیں کرتا)

یعنی بدوں شکستگی اور پستی کے کچھ نہیں ہوتا اور پستی ہی میں یہ اثر ہے۔

ہرکجا پستیست آب آنجارود　　　ہر کجا مشکل جواب آنجارود

(جس جگہ نیچا ہوتا ہے پانی وہیں گرتا ہے، جہاں اشکال ہوتا ہے وہاں ہی جواب دیا جاتا ہے)

ہر کجا دردے دوا آنجا رود　　　ہرکجا رنجے شفا آنجا رود

(جس جگہ بیماری ہوتی ہے وہیں دوا کی ضرورت ہوتی ہے اور جہاں رنج ہوتا ہے وہاں شفاء پہنچتی ہے)

سالہا توسنگ بودی دلخراش　　　آزموں رایک زمانے خاک باش

(تم نے برسوں پتھر کی طرح سخت رہ کر دیکھ لیا اب ذرا آزمانے ہی کو کچھ دن خاک ہو کر دیکھ لو)

دربہاراں کے شود سرسبز سنگ　　　خاک شوتا گل بروید رنگ رنگ

(موسمِ بہار میں پتھر کب سرسبز ہوتے ہیں؟ خاک ہو جاؤ تو رنگ برنگ کے پھول اگیں گے)

خلاصہ یہ ہے کہ تفویض وتسلیم سے کام چلتا ہے اور بالکل خاک میں مل جانے سے اور جس کو یہ دولت ملی ہے وہ اسی طرح ملی ہے۔ اور جو ساری عمر قیل وقال میں رہے تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ پس پہلا طریقہ محمود اور ہدایت اور دوسرا طریقہ مذموم اور ضلالت ہے، ھدینہ النجدین ہم نے دونوں رستے دکھلا دیئے، اب جس کا جدھر جی چاہے چلا جاوے۔ مضمون بڑھ گیا، مقصود ہے کہ صحابہ کو ایسی محبت تھی کہ اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ ساری عمر کو نہ دیکھو تو وہ ایسا ہی کرتے، چنانچہ دو واقعے ہوئے بھی۔

حضرت اویس قرنیؒ کی اطاعت ومحبت کا قصہ

ایک اویس قرنیؒ کا کہ انہوں نے باوجود شدتِ اشتیاقِ زیارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکمِ شرعی سن کر والدہ کی خدمت نہ چھوڑی اور تمام عمر زیارت نہیں کی۔

زیارت فی المنام سے اطاعت افضل ہے

مجھے تعجب ہے ان لوگوں پر کہ جو زیارت فی المنام (سونے میں زیارت) کی تمنا کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت احکام میں نہیں کرتے۔ حالانکہ زیارت فی المنام (خواب میں زیارت) موخر ہے رتبہ میں زیارت فی الیقظہ (بیداری میں زیارت) سے تو حضرت اویسؒ نے یہاں تک اطاعت کی کہ زیارت فی الیقظہ (بیداری میں زیارت) بھی نہیں کی۔ کیونکہ سمجھتے تھے کہ اطاعت کا تو کچھ بدل نہیں، زیارت کا بدل ہے وہ یہ ہے کہ اگر یہاں نہ ہوگی تو آخرت میں ہو جاوے گی، کسی نے خوب کہا کہ ؎

کششے کہ عشق دارنگزاردت بدینساں بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

(عشق میں جو کشش ہے وہ تجھے یوں ہی نہیں چھوڑ دے گی بلکہ اگر تو جنازہ پر

نہ آیا تو مزار پر ضرور آئے گا)

اس میں بھی بدل کا مضمون ہے۔ جب اویس قرنیؒ سے کہ تابعی ہیں ایسا واقعہ ثابت ہے تو صحابہؓ کا کیا کہنا ہے۔

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کا قصہ

دوسری حکایت حضرت وحشیؓ کی ہے اگر چہ یہ صحابی مشہور نہیں ہیں لیکن ہیں صحابی۔ گو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درجہ کے نہیں ہیں

آسماں نسبت بہ عرش آمد فرود لیک بس عالیست پیش خاک تود

(آسمان اگر چہ عرش کی نسبت پست ہے مگر ایک خاک کے ٹیلہ کے سامنے تو بہت بلند ہے)

تو ان کا واقعہ یہ ہوا کہ انہوں نے حضرت حمزہؓ کو شہید کر دیا تھا۔ جب یہ مسلمان ہو کر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ هل تستطيع ان تغيب وجهك عنى؟ (کیا اپنا چہرہ مجھ سے غائب رکھ سکتے ہو؟)

حضرت وحشی کے قصہ پر ایک شبہ اور اس کا جواب

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا سے اس قدر محبت تھی کہ ان کی بدولت ایک مسلمان سے ایسے رنجیدہ رہے کہ ان کی صورت دیکھنا بھی پسند نہیں فرماتے تو یہ تو بڑی رنج کی بات ہے کہ آپ خلافِ مزاج امر سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں تو اس حالت میں عاصی آپ سے کیا امید کریں، خدا جانے آپ کتنے ناخوش ہوں اور ہم کو کہاں دور پھینک دیں گے مگر ہم کو اس واقعہ ہی سے ایک بہت بڑی بات بشارت کی ہاتھ آئی۔ یہی واقعہ ہے کہ جس سے انشاء اللہ تعالیٰ ہماری تمام مشکلات حل ہوں گی

کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے متاثر ہونے والے ہیں کہ منتسب کی دنیاوی تکلیف کی آپ کو سہار نہیں تو قیامت میں اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ کر کھڑے ہو جاویں گے تو یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مصیبت کو دیکھ نہ سکیں گے اور ہماری مدد فرما دیں گے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے وفورِ علم کی ایک حکایت

اور صحابۂ کرام نے اسی قسم کی ایک حدیث سے ایک ایسی ہی عجیب بات سمجھی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث بیان فرما رہے تھے، صحابہؓ نے اس پر عرض کیا هَلْ يَضْحَكُ رَبُّنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی کیا اللہ میاں ہنستے بھی ہیں؟ اور یہیں سے یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ صحابۂ کرام کا علم کیسا عمیق تھا کہ اللہ میاں کے ہنسنے کو تو پوچھا لیکن آج کل کے طباعوں کی طرح اس کی کیفیت نہیں پوچھی کیونکہ جانتے تھے کہ جب خدا تعالیٰ ہی کو پوری طرح نہیں پہچانا تو اس کی صفات کیفیت کیسے سمجھ میں آسکتی ہے۔

تو نہ دیدی گہے سلیماں را چہ شناسی زباں مرغاں را

(جب تو نے کبھی سلیمان علیہ السلام کو دیکھا ہی نہیں تو پھر پرندوں کی بولیاں کیسے سمجھے گا)

ایک بزرگ سے کسی نے شب معراج کی مفصل گفتگو کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب میں کیا خوب فرمایا۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں بلبل چہ گفت وگل چہ شنید و صبا چہ کرد

(کسی کی ہمت اور حوصلہ ہے کہ باغ کے مالی سے یہ پوچھے کہ بلبل نے کیا کہا اور پھول نے کیا سنا اور صبا نے کیا کیا)

غرض صحابہؓ نے اس حدیث کو سن کر عرض کیا کہ انشاء اللہ ایسے رب سے خیر کے ملنے سے محروم نہ رہیں گے جو ہنستا بھی ہے یعنی اب کچھ غم نہیں کیونکہ نہیں معلوم کس بات پر ہنس پڑیں گے اور ہمارا کام بن جاوے گا۔ صاحبو! صحابہ کے یہ علوم ہیں۔ اب ان میں ہمیں اس لیے لطف نہیں آتا کہ ہمارا قلب مثلاً عنین کے ہوگیا ہے۔ اس کو حس نہیں رہی جیسے عنین کو عورت میں لطف نہیں آتا۔ اسی طرح ہم باعتبار قلب کے عنین اور نابالغ ہیں۔ کیا خوب کہا ہے۔

خلق اطفالند جزمستِ خدا　　　نیست بالغ جز رہیدہ ازہوا

(ساری مخلوق بچوں کی طرح ہے سوائے اس شخص کے جو حق تعالیٰ کا مست ہے بس بالغ وہی ہے جو ہوائے نفسانی سے چھوٹ گیا)

تو صحابہؓ نے جیسے اس حدیث سے سمجھا اسی انداز پر اس وقت خدا تعالیٰ نے حضرت وحشیؓ کے متعلق ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ اگر ہم مچل جاویں گے تو ضرور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہماری مدد فرماویں گے۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشیؓ سے فرمایا انہوں نے کر کے دکھلا دیا کہ تمام عمر سامنے نہیں آئے۔

اُرِیْدُ وِصَالَہٗ وَیُرِیْدُ ھَجْرِیْ　　　فَاَتْرُکُ مَااُرِیْدُ لِمَا یُرِیْدُ

(میں اس کے وصال کا ارادہ کرتا ہوں وہ میرے فراق کا اردہ کرتا ہے بس میں اپنی مراد کو اس کی مراد کی وجہ سے چھوڑتا ہوں)

کیا کیا لہریں ان کے دل میں اٹھتی ہوں گی کہ

ازفراق تلخ میگوئی سخن　　　ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن

(فراق کی تلخ باتیں کرتے ہواور جو چاہو سو کرو مگر یہ نہ کرو)

اگر گردن بھی کاٹ لیتے تو یہ غم نہ ہوتا۔ ایک تو جدائی کا غم دوسرا یہ غم کہ لوگوں کی نظروں میں کیسی ذلت ہوگی مگر عاشق تھے کچھ بھی پرواہ نہ کی۔ جان و مال و آبرو سب فدا کردیا۔ اور دوسرے صحابہؓ بھی کیسے مہذب کہ کسی نے ان کو ذرا نہیں چڑایا بلکہ ان کی زیارت کرنے ملکِ شام میں جاتے تھے چنانچہ ان سے ایک صحابی ملنے گئے اور ان سے حضرت حمزہؓ کے قتل کا واقعہ پوچھا۔ کہنے لگے خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس کا کفارہ بھی ہوگیا کہ میں نے مسلیمہ کذاب کو قتل کیا۔

بقیہ شانِ نزول

تو صحابہؓ جب ایسے تھے کہ اتنے بڑے امر میں اطاعت کر لی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ اگر ہم ایسا کرلیں کہ ان روساء کے آنے کے وقت ان غرباء کو مجلس میں رہنے سے منع کر دیں تو ان کو ذرا بھی ناگوار نہ ہوگا اور شاید رؤسا ایمان لے آویں ورنہ اتمامِ حجت ہی ہو جاوے گا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوچ رہے تھے کہ ایسا کریں یا نہ کریں کہ آیت نازل ہوئی

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾

(اور آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو اپنے رب کی عبادت صبح و شام محض اس کی رضا جوئی کے لیے کرتے ہیں اور دنیاوی زندگی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں ان سے ہٹنے نہ پائیں اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانئے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا یہ حال حد

سے گزر گیا ہے)

یہ شانِ نزول بیان کیا تھا جس میں بعض اور ضروری مضمون بھی بیان ہو گئے۔
اب ترجمہ بیان کرتا ہوں، فرماتے ہیں:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾

یعنی رکھو اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت اس طرح کرتے ہیں کہ اس عبادت میں ارادہ کرتے ہیں محض خدا تعالیٰ کی رضا کا یعنی اپنے نفس کو مقید کر کے رکھتے ہیں۔ ان کو اٹھانے کی اجازت تو کہاں ہے خود بھی نہ اٹھئے مثلاً خود ہی اٹھ کر ان رؤسا کو دوسری مجلس میں لے کر بیٹھ جاتے جس میں ان غرباء کی ذلت بھی نہیں تھی۔ دیکھئے وَاصْبِرْ نَفْسَكَ (جمائے رکھئے اپنے نفس کو) ارشاد ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ بھی تقاضا ہو قلب میں کہ میں اٹھوں کیونکہ اس اٹھنے کا داعی بھی دین ہی تھا مگر صبر کر کے بیٹھئے۔ اس سے سمجھئے کہ کیا چیز ہیں مساکین محض۔ اس لیے کہ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (محض اس کی رضا جوئی کا ارادہ کرتے ہیں) خوب کہا ہے۔

مبیں حقیر گدایانِ عشق را کیں قوم — شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند

(گدایانِ عشق کو حقیر نہ سمجھو کیونکہ یہ لوگ بے تاج تخت کے بادشاہ ہیں)

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں — کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

(گدائے میکدہ ہوں لیکن مستی کی حالت میں دیکھو کہ آسمان پر ناز اور ستارے پر حکم کرتا ہوں)

جب ہی تو یہ بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ دو جہاں کے بادشاہ ہیں،

فرماتے ہیں:اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ. دیکھیے یہ نہیں فرمایا کہ مساکین کا حشر میرے ساتھ ہو بلکہ یہ فرمایا کہ میرا حشر مساکین کے ساتھ ہو۔یعنی وہ لوگ تو اپنی جگہ رہیں، میں ان کے ساتھ ہو جاؤں، جہاں مسکین ہوں وہیں میں ہوں۔ ورنہ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ جہاں میں ہوں وہاں یہ آجاویں۔

مسکنت کے فضائل

اور یہ یہاں سے اندازہ ہوگا کہ مسکنت کیا چیز ہے۔ صاحبو! وہ اتنی بڑی چیز ہے کہ ایک ایسے بڑے سخت مرض کا علاج بھی ہے کہ وہ تمام مفاسد کی جڑ ہے اس سے تمدن اور دین دونوں بگڑتے ہیں اور وہ مرض کبر اور نخوت ہے کہ جتنی متعدی خرابیاں ہوتی ہیں لڑائی،غیبت،حسد یہ سب تکبر کی بدولت ہوتی ہیں۔

اتفاق عالم کی جڑ تواضع ہے

ہمارے مرشد حاجی صاحبؒ نے ایک مرتبہ ایک ایسی عجیب اور گہری بات فرمائی کہ جو آج تک کسی رفارمر کی زبان پر نہیں آئی۔فرمانے لگے کہ لوگ اتفاق کی کوشش کرتے ہیں اور اس کی جڑ کی خبر نہیں ہے۔ اتفاق کی جڑ ہے تواضع۔ ہر شخص اپنے اندر تواضع پیدا کرے کیونکہ نااتفاقی ہمیشہ کبر سے ہوتی ہے۔ کیونکہ جب ہر شخص اپنے کو دوسرے سے بڑا سمجھے گا تو بہت سی باتوں میں اپنے حقوق کی اضاعت بھی سمجھے گا، ہر بات میں اپنے دوسرے پر بڑھانا چاہے گا اور اس سے نااتفاقی پیدا ہوگی اور جب ہر شخص میں تواضع ہوگی تو ہر شخص اپنے اوپر دوسرے کے حقوق سمجھے گا اور ان میں اپنے کو قاصر پاوے گا تو سب کے سب ایک دوسرے کے سامنے لچیں گے اور یہی اتفاق ہے۔

ہمارے عقلاء اتفاق کی کوشش کر رہے ہیں مگر ساتھ ساتھ کبر ونخوت کا بھی اہتمام کر کے اسی کی جڑ کاٹ رہے ہیں۔

بعینہٖ وہی حالت ہے ۔

یکے برسرِ شاخ وبن می برید   خداوندِ بستاں نگہ کرد ودید

(ایک آدمی ٹہنی پر ہے اور جڑ کاٹ رہا ہے، مالکِ باغ نے نظر کی اور دیکھا)

تو ہم شاخِ اتفاق پر بیٹھے ہیں لیکن کبر کے قریب سے اس کی جڑ کاٹ رہے ہیں۔آج خودداری تکبر کی تعلیم کی جاتی ہے اور اس کا نام رکھا گیا ہے اولوالعزمی۔

اولوالعزمی کا مفہوم

صاحبو! اولوالعزمی یہ ہے کہ سلطنت پر لات ماردی اور حالت یہ ہو کہ لنگے زیرو لنگے بالا۔(ایک لنگی باندھے ہوئے اور ایک لنگی اوڑھے ہوئے) اولوالعزمی کا حاصل یہ ہے ۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش   چہ فولاد ہندی نہی برسرش

امید وہراسش بنا شد زکس   ہمیں است بنیادِ توحید وبس

(موحد اور عارف کے قدموں کے نیچے خواہ زر بکھیریں یا اس کے سر پر تلوار رکھیں، امید وخوف اس کو بجز خدا کے کسی سے نہیں ہوتا۔توحید کی بنیاد بس اسی پر ہے)

اور وہ حالت ہو ۔

آں کس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند   فرزند وعیال وخانماں راچہ کند

(جس شخص کو آپ کی معرفت حاصل ہوگئی اس کو جان اور فرزند واسباب کی پرواہ نہیں)

حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہیوں کی اولوالعزمی

صاحبو! اولوالعزمی وہ ہے جو صحابہ نے کر کے دکھلا دی کہ ماہان ارمنی کے دربار میں جب حضرت خالدؓ سو آدمیوں کو ہمراہ لے کو تشریف لے گئے تھے۔ ماہان ارمنی حریر کا فرش بچھایا ہوا تھا۔ حضرت خالدؓ نے اس کو اٹھا دیا۔ ماہان کنے کہا کہ اے خالدؓ میں نے تمہاری عزت کے لیے یہ فرش بچھایا تھا۔ حضرت خالد نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا فرش تیرے فرش سے بہت اچھا ہے۔ اب غور کیجئے کہ حضرت خالد صرف سو آدمیوں کے ساتھ ہیں اور ماہان ارمنی کے پاس دو لاکھ فوج ہے لیکن حضرت خالدؓ کیا گفتگو کرتے ہیں ماہان ارمنی نے کہا کہ اے خالدؓ میرا جی چاہتا ہے کہ تم کو بھائی بنالوں خالدؓ نے فرمایا کہ بہتر ہے کہو لَاالٰـهَ اِلَّااللّٰهُ مُـحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں)

ماہان ارمنی نے کہا کہ یہ تو نہیں ہوسکتا۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا تو اس حالت میں ہم نے حقیقی بھائیوں کو بھی چھوڑ دیا تجھ کو کیا بھائی بناتے۔ پھر حضرت خالدؓ نے فرمایا اے ماہان تو مسلمان ہو جا ورنہ وہ دن قریب نظر آ رہا ہے کہ تو حضرت عمرؓ کے سامنے اس طرح حاضر کیا جاوے گا کہ تیرے گلے میں رسی ہوگی اور تجھ کو ایک شخص گھسیٹتا ہوگا۔ اس پر ماہان ارمنی آگ ہو گیا غضب ناک ہوکر کہا کہ پکڑو ان لوگوں کو حضرت خالدؓ فوراً اٹھ کھڑے ہو گئے اور ہمرائیوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ خبردار اب ایک دوسرے کو مت دیکھنا اب انشاء اللہ تعالیٰ حوض کوثر پر ملاقات ہوگی اور فوراً میان سے تلوار کھینچ لی۔ یہ ہیبت دیکھ کر ماہان مرعوب ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں تو ہنسی کرتا تھا۔ جب حضرت خالدؓ درست ہوکر بیٹھے۔ یہ ہے اولوالعزمی نہ یہ کہ غایت کبر و نخوت و تنفر عن المساکین (مساکین سے

نفرت) جنگل میں جا بسے کہ (مسلمان ان کو دیکھ سکیں ۔ نیز جس کا نام آج اولوالعزمی رکھا گیا ہے وہ وہ ہے جس کی بابت قرآن مجید میں ارشاد ہے لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَاداً. (نہیں ارادہ کرتے ہیں بڑائی کا زمین میں اور نہ فساد کا)

تو اولوالعزمی صحابہؓ نے کر کے دکھلائی ہے اور وہ توحید سے ہوتی ہے۔ آج کل تکبر کا نام اولوالعزمی رکھا گیا ہے اور اس کی تعلیم دی جاتی ہے۔

صاحبو! کیسے افسوس اور رنج کی بات ہے آج بچوں کو وہ تعلیم دی جاتی ہے کہ ان میں بچپن ہی سے اینٹھ مروڑ پیدا ہو جاوے۔

بچوں کی غلط تربیت

مجھ سے ایک رئیس نے پوچھا کہ اگر بچہ نوکر کی خطا کرے تو کیا کرنا چاہئے۔ یعنی اس حرکت پر اس کو کسی قسم کی تنبیہ کرنی چاہیے یا نہیں۔ میں نے کہا اس بچہ کو کہنا چاہیے کہ اس نوکر سے عذر کرے۔ کہنے لگے کہ یہ تو بڑی ذلت کی بات ہے اس سے اولوالعزمی میں ضعف ہوتا ہے پھر جب میں نے اس اولوالعزمی کی حقیقت سمجھائی کہ یہ بدخلقی اور تکبر ہے تب ان کی سمجھ میں آ گیا۔ صاحبو! واللہ لوگوں کو پرورش اور تربیت نہیں آتی۔ تربیت یہ تھی کہ جو پہلے اتالیق کرتے تھے۔ ایک شہزادہ کی حکایت ہے کہ وہ ایک معلم کے پاس پڑھتا تھا۔ ایک روز بادشاہ جو مکتب میں گئے تو دیکھا کہ نہ شہزادہ ہے اور نہ معلم ہے دوسرے لڑکوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ معلم صاحب گھوڑے پر سوار ہو کر گئے ہیں اور شہزادہ ان کے پیچھے ساتھ گیا ہے بادشاہ کو حرکت ناگوار ہوئی اور جس طرف ان کا جانا سنا تھا خود بھی اسی طرف کو چلا۔ آخر ایک جگہ ملاقات ہوئی۔ بادشاہ نے دیکھا کہ میاں جی گھوڑے پر سوار ہیں اور شہزادہ گھوڑے کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ بادشاہ

نے معلم سے پوچھا کہ آخر اس کا کیا سبب ہے کہنے لگے کہ جناب آپ کو معلوم ہے کہ یہ شہزادہ ہے اور خدا تعالیٰ نے کیا تو یہ تخت سلطنت پر بھی متمکن ہوگا اس وقت ایسے بھی مواقع ہوں گے کہ یہ سواری پر ہو اور اس کے ساتھ اس کے حشم خدم بھی ہوں۔ پس میں اسی وقت سے اس گھوڑے کے ساتھ بھگا کر بتلا رہا ہوں کہ خدام کو پیادہ دوڑنے میں ایسی تکلیف ہوا کرتی ہے تا کہ یہ اپنی تکلیف کو یاد کر کے اپنے حشم خدم پر رحم کرے اور وسعت سے زیادہ تکلیف ان کو نہ دے۔ یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور کہا جـــزاك الله (اللہ تعالیٰ تجھ کو جزا دے) تم نے بہت بڑی اصلاح کی۔ تو یہ ہے تربیت کا طریق۔

تکبر کا علاج

اب تکبر کا ایسا چرچا ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ کی پناہ اور یہی ہماری تباہی کا سبب ہے اور اس کا علاج ہے مسکنت جو بات دس برس کے مجاہدہ میں بہ دقت حاصل ہوسکتی ہے وہ مسکنت سے ایک دن میں حاصل ہو جاتی ہے اور یہ مسکنت کی وہ منفعت ہے جو میری سمجھ میں آئی ورنہ اصل یہ ہے کہ مسکنت فی ذاتہا بھی محبوب عند اللہ ہے۔ پیا جس کو چاہے وہی سہاگن ہوئے۔

صحبت نیک کی فضیلت

شاید اس تقریر سے کسی کے دل میں یہ بات پیدا ہو کہ ہم بھی گھر لٹا دیں گے اور مساکین میں داخل ہو جاویں گے صاحبو! ہرگز ایسا مناسب نہیں۔ مساکین میں داخل ہونے کا یہ طریق کہ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (صحيح البخاري ٨: ٤٨) (آدمی اس شخص کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے)

تم ان سے محبت رکھو انشاء اللہ تعالیٰ انہیں کے درجہ پر پہنچ جاؤ گے۔ اسی لیے

فرماتے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم يَا عَائِشَةُ قَرِّبِيْ الْمَسَاكِيْنَ وَجَالِسِيْهِمْ (البداية والنهاية ٦ : ٥٩) بلفظ آخر) (نزدیک ہوتو مساکین کے اوران کے پاس بیٹھ) لفظ قَرِّبِيْ (نزدیک ہوتو) میں تو ان کو آنے دینے کے لیے فرمایا اور لفظ جَالِسِيْهِمْ (بیٹھ تو ان کے پاس) میں اس سے بڑھ کر یہ بتلا دیا کہ اگر وہ خود نہ آویں تو جا کر بیٹھو۔ دیکھئے کتنی بڑی عزت ہے مساکین کی یہ ہی مسکنت ہے جس سے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا کہ اِصْبِرْ نَفْسَكَ إلخ (جمائے رکھ تو اپنے نفس کو) یہ بیان تھا ترجمہ آیت کا۔ اور آیت کا ترجمہ سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ مقصود میرا کیا بیان کرنا ہے مگر میں تصریحاً بھی کہہ دیتا ہوں سو مدلول لغوی آیت کا تو یہ ہے جو کہ میں نے بیان کیا مگر اس کی ایک غایت ہے اس غایت سے میرا مقصود اچھی طرح سمجھ میں آجاوے گا۔ میں نے سوچا تھا کہ کوئی صریح آیت سمجھ میں آجاوے مگر جلدی میں سمجھ میں نہیں آئی۔ لیکن خیر اَب سمجھئے کہ غایت اس اِصْبِرْ سے کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ رعایت نفع صحابہ کی کیونکہ دو حال سے خالی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مساکین کو نفع پہنچتا ہے یا نہیں اگر نہیں پہنچتا تو پھر اس حکم سے کیا فائدہ ہوتا ہے اور اگر کوئی کہے کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نفع پہنچتا ہو اجر تبلیغ کا تو یہ بالکل غلط ہے کہ صرف اس کو مدار حکم کہا جاوے۔ اس میں صحابی کی کیا تخصیص ہے۔ یہ تو تبلیغ الی الکفار (کفار کی تبلیغ) میں بھی مشترک ہے پس معلوم ہوا کہ ان مساکین کو آپ سے نفع پہنچنا بڑی غایت ہے اس حکم کی یعنی اگر یہ آپ کے پاس بیٹھیں گے تو ان کو نفع ہوگا۔

مقبولانِ الٰہی کی صحبت سے نفع

اس سے ثابت ہوا کہ مقبولانِ الٰہی کے پاس بیٹھنے سے نفع ہوتا ہے۔ یہ چھوٹا سا

جملہ مگر میں اس کی تفصیل کروں گا اور یہ ہی میرا مقصود ہے بیان سے اور یہ مسئلہ سب کے نزدیک مسلم بھی ہے اور قرآن شریف میں منصوص بھی ہے اِتَّـقُـوْا اللّٰهَ وَكُـوْنُـوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ (اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو)

اس آیت میں تو یہ مصرح ہی ہے۔ جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اس میں گو مصرح نہیں لیکن حسب تقریر مذکور لازم آ گیا۔ پھر یہ کہ اس کا مسلّم ہونا ہی کافی ہے۔

صحبت صالحین سے غفلت اور لاپروائی

لیکن باوجود مسلم ہونے کے افسوس آپ کے دلوں میں درجہ ضرورت میں یہ کبھی نہیں آیا اور یہ ہی ضرورت داعی ہوئی اس کے بیان کی یہ عام خیال ہے کہ نیک صحبت نافع ہوتی ہے لیکن اس کا ضروری ہونا سو عقیدہ کے درجہ میں بھی اس سے غفلت ہے اور عمل کے اعتبار سے بھی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ تمام لوگ اپنے لیے اپنی اولاد کے لیے دنیا کی فلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں جو دین کا مذاق غالب رکھتے ہیں وہ دین کے لیے مولوی بناتے ہیں جو دنیادار ہیں وہ معاش کے لیے تیار کرتے ہیں۔ غرض ایک نے دین کی فلاح کی کوشش کی اور ایک نے دنیا کی فلاح کی کوشش کی۔ لیکن اس فہرست مساعی میں کہیں یہ فکر نہیں جس کا نام نیک صحبت ہے یعنی بالاستقلال اس کا اہتمام کسی نے بھی نہیں کیا۔ جیسے اور کاموں کو ضروری سمجھتے ہیں اس کو کسی نے بھی ضروری نہیں سمجھا مثلاً ہفتہ بھر میں ایک دن یا مہینہ بھر میں ایک دن یا سال بھر میں ایک مہینہ کسی نے اس لیے دیا ہو کہ اس میں صحبت نیک سے مستفید ہوں تو ہمارا یہ عمل اس کی شہادت دے رہا ہے کہ ہم نے اس کو کسی درجہ میں بھی ضروری نہیں سمجھا۔ دیکھئے سارے کاموں کے لیے وقت مقرر ہیں کھانے کے لیے آرام کے لیے بھی سیر کے لیے بھی مگر صحبت نیک کے ذریعہ محض

تہذیب اخلاق کے لیے بھی کسی نے وقت مقرر کیا ہے؟اس کے جواب میں محض صفر ہے یہ ہے وہ مضمون جس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے اس لیے کہ اس کی طرف سے غفلت عام اور ضرورت اس کی بیحد کہ دنیا کا یا دین کا کوئی کمال بغیر صحبت کے نہیں ہوسکتا۔ ہاں نام کو جو چاہے ہو جاؤ باقی واقع میں وہ حال ہی ایسا ہی ہے کہ ؎

خواجہ پندار دکہ دارد حاصلے حاصل خواجہ بجز پندار نیست

(خواجہ کا گمان ہے کہ اس کو کچھ حاصل ہے خواجہ کو بجز غرور کے کچھ حاصل نہیں)

اس وقت لوگ مطالعہ کتب کو کمال سمجھتے ہیں۔

حصول کمال کا طریق

میں بقسم کہتا ہوں کہ کوئی کمال بدوں ماہر سے حاصل کیے نہیں آسکتا اور ماہر سے حاصل کرنا موقوف ہے صحبت پر۔ اور دنیاوی کمالات کو جانے دیجئے اس کا مجھے تجربہ نہیں نہ مجھے اس کے متعلق گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔ ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

(میں نہ شب ہوں نہ شب پرست کہ خواب کی تعبیر بیان کروں محبوب حقیقی کا غلام ہوں محبوب ہی کی باتوں کو مجھ سے سنو)

گو مولویوں پر بھی یہ اعتراض ہے کہ دنیا کی اصلاح کا کوئی طریقہ نہیں بتلاتے مگر میں اس کا جواب دیا کرتا ہوں کہ یہ اعتراض ایسا ہے کہ جیسے حکیم محمود خان کے پاس کوئی مدقوق جاوے اور وہ نبض دیکھ کر ایک نسخہ لکھ دیں جب وہ نسخہ لے کر باہر آیا تو دروازہ پر ایک چمار ملا کہنے لگا کہ حکیم صاحب نے کیا بتلایا۔ مریض نے نسخہ دکھلا دیا دیکھ کر کہنے لگا کہ تمہاری جوتی ٹوٹی ہوئی ہے اس کے متعلق بھی کچھ بتلایا۔ مریض نے کہا کوئی نہیں، کہنے

لگا کہ حکیم محمود خان بھی دنیا کی ضرورت سے بالکل ہی غافل ہیں۔

صاحبو! اس مشیر کو کیا جواب دیجئے گا بجز اس کے کہ یہ حکیم صاحب کا منصب ہے اور یہ تیرا کام ہے۔ اسی طرح ہم دق روحانی کا نسخہ بتلاتے ہیں اور دنیاوی مقاصد کو جوتی سینے کے درجہ میں سمجھتے ہیں۔ تو پھر ہمارے خلاف منصب کیوں الزام دیا جاتا ہے۔ صاحبو! غضب ہے کہ سنارے کے پاس کھرپا لے جاؤ کہ اس کو بنادے یا قاضی شہر سے چارپائی بنواؤ۔ ہاں اگر حکیم محمود خان جوتی بنوانے سے منع کریں تو وہ مجرم ہیں۔ لیکن اگر جوتا اس طرح سے سلوایا جاوے کہ کھال میں کوستالی نکلنے لگے تو حکیم محمود خان پر فرض ہے کہ منع کریں اور کہیں کہ اس زخم سے تمہارا سارا بدن سڑ جاوے گا۔

ترقی دنیا سے شریعت کب منع کرتی ہے

بس اس طرح اگر مولوی جائز طریقوں سے دنیا میں کمانے کو منع کریں تو بیشک مولویوں پر الزام ہے لیکن اگر دین میں ستالی نکالنے لگے گی تو وہ ضرور منع کریں گے اور یہ منع کرنا واقع میں ترقی سے روکنا نہیں ہے۔ صاحبو! اگر ایک شخص جیب میں اشرفیاں بھرے اور جب جگہ رہ جاوے تو اوپر سے کوڑیاں بھرنے لگے اور کوڑیوں کو ٹھونس کر بھرنے کے بوجھ سے جیب پھٹنے لگے کہ اشرفیاں نکلنے لگیں اور یہ حالت دیکھ کر کوئی شخص اس کو اس طرح کوڑیاں بھرنے سے منع کرے تو اس کو مانع ترقی کہا جاوے گا؟ ہرگز نہیں وہ کوڑیاں کس کام کی جو اشرفیاں کھو کر حاصل کی گئیں ہوں۔ پس جب آپ کا دین کہ اشرفیوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ برباد ہو رہا ہے تو دنیا کی چند کوڑیاں جمع کرکے آپ کو کیا فلاح ہوگی تو اس حالت میں مولوی ضرور منع کریں گے اور اگر یہ امر آپ کی سمجھ میں آجاوے گا تو آپ بھی کہنے لگیں گے۔

مبادادل آں فرد مایہ شاد که ازبہر دنیا دہد دیں بباد

(وہ کمینہ خوش دل نہ رہے جس نے دنیا کی وجہ سے دین کو خراب کیا)

ہم کو گو یہ بھی جائز ہے کہ ہم آپ کو آپ کے دنیاوی نقصانات سے بھی بچاویں لیکن ہم اس کو اپنا منصب نہیں سمجھتے اس لیے دوسرے مشاغل دینیہ کے غلبہ سے قصداً ایسا نہیں کرنا چاہتے کیونکہ۔

ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم الاحدیث یار کہ تکرار مے کنیم

(جو کچھ ہم نے پڑھا سب کو فراموش کر دیا بجز محبوب کی باتوں کے کہ ان ہی کا تکرار کرتے ہیں)

دیکھئے انگریزوں کا فتویٰ ہے کہ ہر کام کے لیے ایک جماعت رہنی چاہیے تو اس فتویٰ کے مطابق مولویوں کو صرف دین کے کام کے لیے رکھو۔ مگر آج کل عجب اندھیر ہے کہ سارے کام ایک ہی جماعت کے ذمے سمجھے جاتے ہیں اور سارے کاموں کے الزام مولویوں ہی پر ہیں۔ اور اگر مولوی کچھ کرتے بھی ہیں اور روپیہ کی نسبت ان حضرات سے کہتے ہیں کہ روپیہ ہمارے پاس نہیں وہ جمع کیجئے تو جواب ملتا ہے کہ تم ہی چندہ بھی کرلو۔

اکبر اور ایک بھانڈ کی حکایت

مجھے ایسے لوگوں کی حالت پر اکبر کے زمانہ کا ایک قصہ یاد آیا کرتا ہے کہ اکبر نے کسی خوشی میں اپنے بھانڈ کو ایک ہاتھی دے دیا تھا وہ کھلاوے کہاں سے آخر اس نے ایک ڈھول اس کے گلے میں ڈال کر چھوڑ دیا۔ اکبر شاہ نے اتفاقاً اس ہیئت میں دیکھا۔ پوچھا۔ اس نے کہا حضور جب مجھ سے کھلایا نہ گیا میں نے ڈھول گلے میں ڈال کر چھوڑ دیا کہ بھائی مانگ اور کھا۔ تو گویا مولوی اکبر کے بھانڈ کے ہاتھی ہیں۔ کیوں صاحب

مولویوں کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ روپیہ مانگیں ہمارا کام ہاتھ اور زبان کا ہے۔ باقی روپیہ دینا یا جمع کرنا یہ آپ کا کام ہے۔ بیان اس کا تھا کہ دنیاوی اصلاحات میں دخل دینا مولویوں کا کام نہیں بلکہ ان کا حسن تو یہ ہے کہ اس سے یہ واقف بھی نہ ہوں۔ بچہ کا کمال یہ ہے کہ وہ بالکل بھولا ہے۔

مولویوں کے دنیادار ہونے کی خرابی

دوسرے ایک بڑی خرابی ان کے دنیا سے باخبر ہونے میں یہ بھی ہے کہ اگر ان کو دنیا کا کام آوے تو نفس ان کے بھی ساتھ ہے نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر چند روز میں شکر فروش اور چاول فروش ہوں گے۔ دیکھو اگر ڈرائیور کو سیکنڈ کی سواری ملے تو کبھی انجن میں نہ بیٹھے گا تو مولوی دنیا سے ناواقف ہی رہنے چاہئیں۔ اور صاحبو! غضب ہے کہ ایک تو ہم تکلیف کے انجن میں بیٹھ کر آپ کی راحت رسانی کے لیے اپنا بدن اور کپڑے سیاہ کریں اور پھر یہ اعتراض ہم پر ہو کہ تم گارڈ کیوں نہیں بنتے۔ اس لیے میں دنیا کی اصلاح کا ذکر ہی نہیں کرتا گو وہ بھی موقوف صحبت ہی پر ہے مگر میں صرف دینی اصلاح کا ذکر کرتا ہوں کہ

دین کی اصلاح محض کتب بینی سے نہیں ہوتی

دین کی اصلاح محض کتابیں دیکھ کر نہیں ہوسکتی، یہ صحبت ہی سے ہوسکتی ہے۔ مطالعۂ کتب سے اس کی کوشش کرنا ایسا ہے جیسے طب کی کتابیں دیکھ کر کوئی شخص بیوی کو مسہل دینے لگے اور حکیم محمود سے نہ پوچھے، محض اس لیے کہ قرابادین اعظم ہمارے پاس ہے، جس کسی سے بھی ایسا کرنے کو کہو وہ یہی کہے گا کہ صاحب ہر فن کے کچھ دقائق ہوتے ہیں جن کو صاحب فن ہی سمجھ سکتا ہے، میں بدون حکیم کے مسہل دینے کی جرأت

نہیں کرتا۔ اسی طرح اس فنِ دین میں بھی کچھ غوامض ہیں، لہٰذا کتابوں پر اکتفا کرنا سخت غلطی ہے، ہرگز کتابوں پر اکتفانہ کیجئے بلکہ صحبت اختیار کیجئے، چونکہ وقت کم رہ گیا ہے اس لیے مختصر کر کے ختم کرتا ہوں (سامعین نے التجا کی کہ مختصر نہ کیا جاوے اس کے بعد پھر فرمایا)

بدوں صحبت کوئی شے حاصل نہیں ہوتی

غرض صحبتِ نیک کی سخت ضرورت ہے مگر اس کی طرف لوگوں کو مطلق توجہ نہیں۔ حالانکہ بدوں صحبت معمولی کام کا بھی سلیقہ نہیں ہوتا۔ دیکھئے رسالہ خوان نعمت کو دیکھ کر کبھی گلگلے نہیں پکا سکتا۔ تو جب حرف دنیویہ بھی بدون صحبت کے حاصل نہیں ہو سکتے تو فنونِ شرعیہ کیسے حاصل ہو سکتے ہیں؟ مجھے یاد ہے کہ میرے بچپن میں ایک وکیل صاحب میرے مہمان ہوئے، میں نے ان سے ترجمہ قانون لے کر دیکھا اور اپنے نزدیک اس کو سمجھا پھر میں نے وکیل صاحب سے پوچھا کہ آیا اس کے معنی یہی ہیں جو میں نے سمجھے، کہنے لگے کہ نہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں۔ اور ان کے بیان کرنے کے بعد وہی معنی صحیح معلوم ہوئے جو انہوں نے بتلائے تھے۔ تو دیکھئے اردو مادری زبان ہے مگر چونکہ اس فن سے واقفیت نہ تھی، اس لیے صحیح معنی سمجھ میں نہ آئے تو اگر کسی دوسری زبان کی کتاب ہو یا اس سے ترجمہ کر کے آئی ہو تو چونکہ غیر زبان کے دقائق تو بدوں مہارت اطلاع علیٰ وجہ الکمال نہیں ہوتی۔ اور ترجمہ میں وہ خصوصیات محفوظ نہیں رہتیں جو اصل زبان کے الفاظ میں تھیں۔ اس لیے محض کتاب دیکھ کر کبھی کوئی شخص اصل بات کی تہہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ دیکھو اگر ذوقؔ کا ایک شعر لے کر فارسی میں اس کا ترجمہ کر دو تو ہرگز وہ لطف نہ آوے گا۔ بس یہی حالت قرآن وحدیث کی ہے تو اول زبان سیکھو پھر ہر فن کے

متعلق اہلِ فن سے اس کے احکام سیکھو تب وہ فن حاصل ہوگا۔ ورنہ قرآن بدوں مفسر کے اور حدیث بدوں محدث کے ہرگز حل نہیں ہوسکتی اور علماء کو اس کا اندازہ ہوگا کہ باوجود اس کے وہ دن رات اس میں رہتے ہیں مگر پھر بھی ان کو گاہے پوچھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ میں نے بعض اوقات اپنے اساتذہ کے سامنے ان کے مطلب بیان فرمانے پر اس کے خلاف اس مقام کی تقریر کی اور انہوں نے اس کو قبول کیا۔ تو جب شاغلین کی یہ حالت ہے تو جن لوگوں کو یہ مشغلہ ہی نہیں وہ محض اپنے فہم پر کیسے مطمئن ہوسکتے ہیں۔ بعض دفعہ ایک مسئلہ کے ساتھ دوسری قیود جو اس مقام پر مذکور نہیں، ملحوظ ہوتی ہیں جس میں نہایت ماہر کی ضرورت ہوتی ہے، اسی لیے میں نے ایک طالب علم شافعی المذہب کی درخواست پر اس کو فقہِ شافعی پڑھانے سے انکار کردیا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ کبھی ایک مسئلہ میں ایک قید معتبر ہوتی ہے۔ لیکن وہ اس میں خاص مذکور نہیں ہوتی بلکہ دوسری جگہ مذکور ہوتی ہے۔ تو ایسے مقام پر بوجہ عدمِ استحضار و عدمِ مہارت مجھے فروگذاشت ہوتی۔

طلاق کا ایک اہم مسئلہ

میں مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ لفظ اختاری (اختیار کرتو) کنایات میں سے اس کو باب الکنایات میں دیکھ کر بعض لوگوں کو ہی لغزش ہوئی کہ وہ یہ سمجھے کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو بہ نیتِ طلاق یہ لفظ کہہ دے تو طلاق ہوجاوے گی۔ حالانکہ یہ مسئلہ ایک تو بابِ تفویضِ طلاق سے متعلق ہے اور دوسرے بابِ کنایات سے تو بابِ کنایات میں تو یہ لکھا ہے کہ کنایہ ہے اور بابِ تفویض میں یہ لکھا ہے کہ وقوع کی شرط یہ ہے کہ عورت اخترت نفسي (میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا) بھی کہے اور اگر عورت کچھ نہ کہے تو مرد کے صرف اِخْتَارِیْ کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، اسی لیے میں نے ان شافعی المذہب

سے انکار کر دیا۔ اور مولوی طیب صاحب عرف شافعی کا نام بتلا دیا تھا کیونکہ دیانت کی بات یہی تھی۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں کہ جب تک کامل شیخ اس کے غوامض پر مطلع نہ کرے اس وقت تک وہ حل نہیں ہوسکتیں، اس لیے صحبت کی حاجت ہوئی۔ سو ایک ضرورت تو صحبت کی اصلاحِ علمی کے لیے ہے۔

دین کی اصلاح عمل سے ہے

اور دوسری اصلاح دین کی عمل ہے جس کے لیے ضرورت ہے تربیت کی اور وہ بھی موقوف ہے صحبت پر اور عمل کا موقوف ہونا تربیت پر اور محض علم کا اس کے لیے کافی نہ ہونا اس سے ظاہر ہے کہ عمل میں علماء بھی کوتاہیاں کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم جیسوں کی یہ حالت ہے کہ:

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و ممبر میکنند   چوں بہ خلوت می روند آں کارِ دیگر میکنند
مشکلے دارم ز دانشمندِ مجلس باز پرس   توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر میکنند

(واعظ لوگ محراب و منبر پر جلوہ فرما ہوتے ہیں، جب خلوت میں جاتے ہیں، دوسرا کام کرتے ہیں۔ ایک اشکال مجھ کو پیش آیا ہے دانشمند مجلس سے دریافت کر، توبہ کا حکم کرنے والے خود توبہ کیوں نہیں کرتے)۔

آخر کیا وجہ ہے کہ غیبت کی برائی جانتے ہیں مگر مبتلا ہیں۔ جانتے ہیں کہ کینہ رکھنا برا ہے مگر سینکڑوں اہلِ علم اس میں مبتلا ہیں۔ سو وجہ یہی ہے کہ تربیت نہیں ہے اور اس کی وجہ سے عمل کمزور ہے تو عمل کے لیے فقط علم اور ارادہ کافی نہیں تربیت کی بھی حاجت ہے، لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ عمل ارادی چیز ہے تو اس کے لیے ارادہ کافی ہوگیا ہوگا مگر اس میں غلطی یہ ہوئی کہ خود ارادہ کے لیے بھی قوت کی ضرورت ہے، اس پر نظر نہیں کی گئی یا

یوں کہیے کہ ارادہ جب ہی کافی ہے کہ موانع مؤثر نہ ہوں اور بدوں تربیت موانع ہوتے ہیں۔

منازعاتِ نفس مجاہدہ سے باطل نہیں ہوتے

مثلاً منازعاتِ نفس بھی موانع ہیں کہ آپ سردی میں اٹھ کر نماز پڑھنا چاہتے ہیں لیکن نفس آپ کو روکتا ہے تو اس کے لیے ضرورت ہے تربیت کی، اس سے منازعات ضعیف الاثر ہوجاتے ہیں گو بالکل ان کے مواد کا استیصال نہیں ہوتا۔ بعض لوگوں کو اس میں یہ دھوکہ ہوجاتا ہے کہ مجاہدات سے منازعات بالکل باطل ہوجاتے ہیں لیکن یہ غلط ہے، ہاں! ضعیف ہوجاتے ہیں۔

نفس اژدہاست او کے مردہ است   از غمِ بے آلتی افسردہ است

(نفس اژدہا ہے، وہ نہیں مرا، ہاں غم بے آلتی سے افسردہ ہے)

مولانا نے یہ حکایت لکھی ہے کہ ایک اژدہا سردی میں ٹھٹرا پڑا تھا، اس کو ایک مارگر نے مردہ سمجھ کر رسوں میں جکڑ لیا اور گھسیٹ کر شہر میں لایا لوگ جمع ہوگئے اور شیخی بگھار رہا تھا میں نے اس طرح اس کو گرفتار کیا ہے اور اس طرح اس کو مارا ہے لوگ بھی تعجب کر رہے تھے اتنے میں دھوپ جو نکلی وہ اس کی حرارت سے جنبش کرنے لگا، معلوم ہوا کہ زندہ ہے مخلوق بھاگی اور ساری شیخی اس کی کرکری ہوگئی اسی کو ذکر کرکے مولاناؒ فرماتے ہیں:

نفس اژدہاست او کے مردہ است   از غم بے آلتی افسردہ است

یعنی نفس تو ایک اژدہا ہے وہ مرا نہیں ہاں! غم آلتی سے افسردہ ہو رہا ہے تو افسردگی کے اسباب کو نہ چھوڑنا چاہیے اور وہ مجاہدت واشغال اور تدبیر خاصہ ہیں اس لیے

تعلیم اصلاح کے ساتھ تدابیر کی تعلیم بھی ضروری کرنا چاہیے۔ اکثر ہمارے مصلحین اوامر ونواہی اور وعدہ وعیدہ کو ہمیشہ ذکر کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ تدابیر نہیں بتلاتے حالانکہ اس کی سخت ضرورت ہے کیونکہ اس میں سخت دشواری پیش آتی ہے ہم چاہتے ہیں کہ جھوٹ نہ بولیں مگر نفس کہتا ہے کہ اب فلاں مصلحت ہے بول ہی لینا چاہیے اور ہم نفس سے مجبور ہو جاتے ہیں دیکھو! اگر بدن میں صفرا بہت بڑھ جاوے تو نرے مسکنات (تسکین دینے والی دوائیں) سے تسکین نہیں ہوتی بلکہ مزیل (زائل کرنے والی ادویہ) کی ضرورت ہوگی تو محض نصیحت بمنزلہ مزیل۔ غرض ان منازعات کے لیے تربیت کی حاجت ہوگی۔

علم وعمل کے لیے نیک صحبت کی ضرورت

حاصل تقریر یہ ہوا کہ دو چیزوں کی ضرورت ثابت ہوگی۔ ایک علم دوسرا عمل، جو موقوف ہے تربیت پر۔ اول کے لیے خاص قسم کے شیوخ کی ضرورت ہے اور دوسرے کے لیے خاص قسم کے شیوخ کی ضرورت ہے۔ پس علم وعمل دونوں موقوف ہوئے صحبت پر مگر ہم لوگ اس سے غافل ہیں چونکہ میں نے کہا تھا جس کی ضرورت ہو اور اس سے غفلت ہو اس کے بتلانے کی سخت ضرورت ہوتی ہے اسی لیے میں اس کو بتلانے کو عرض کر رہا ہوں کہ صحبت وہ چیز ہے کہ علم اور عمل کا کمال دونوں اس پر موقوف اور علم وعمل دونوں ضروری اور موقوف علیہ ضروری پس کس قدر ٹھہری۔

علم وعمل کی کمی سے دنیوی خرابی بھی ہوتی ہے

اب یہ بات کہ علم اور عمل دونوں ضروری ہیں سو اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ جو خرابی دنیوی واخروی واقع ہوتی ہے یا اخلال علم سے ہوتی ہے یا اخلال عمل سے اخروی

خرابی کا ترتب تو ظاہر ہے اور اس کے واسطے نصوص وعید دلیل کافی ہیں اور دنیوی خرابی کا ترتب اس طرح ہے کہ جس کا جی چاہے دیکھ لے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل کر کے ہر پریشانی سے نجات ہوتی ہے اور اسی طرح مخالفت کرنے سے پریشانی کا ہجوم ہوتا ہے۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ عمل کرنے سے ہر تعب سے نجات ہوتی ہے مگر پریشانی سے ضرور نجات ہوتی ہے۔ اسی پر حکامت یاد آئی کہ مولوی غلام مصطفیٰ جو میرے ایک دوست ہیں وہ ایک رئیس کے لڑکوں کو پڑھاتے تھے اور نماز بھی پانچوں وقت پڑھواتے تو ان لڑکوں کی ماں کوستی تھی کہ اس مولوی نے میرے بچوں کو ز کام میں مبتلا کر دیا صبح کو وضو کرواتا ہے۔ سو صاحب ایسی مشقت تو دین میں ہوتی ہے۔

اسلام میں حرج نہیں

مولانا فضل الرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ سے ایک شخص نے آ کر پوچھا کہ ایک عورت کا شوہر گم ہو گیا ہے۔ مولوی صاحبؒ نے فرمایا کہ مرد کی نوے برس کی عمر تک انتظار کرو۔ کہنے لگا کہ جناب اس میں تو بڑا حرج ہے اور دین میں حرج نہیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ بھائی اگر یہ حرج ہے تو جہاد میں بھی حرج ہے۔ سو حرج کے یہ معنی نہیں۔ حرج کہتے ہیں پریشانی اور الجھن کو سو اسلام میں یہ نہیں۔ ہاں! تعب و مشقت ہے تو کیا دنیا کے کاموں میں تعب اور مشقت نہیں ہے۔

عامل شریعت کو پریشانی نہیں ہوتی

واللہ! جو شخص شریعت پر عمل کرے گا تمام پریشانیوں سے نجات میں رہے گا۔ اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ ہم بہت دینداروں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اکثر تکلیف میں رہتے ہیں مثلاً ان کی آمدنی کم ہوتی اور خرچ تنگی سے ہوتا ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ تکلیف جسم پر ہے

روح پر نہیں اور پریشانی ہوتی روح کی تکلیف سے پس اس کی مثال دلدادگان شریعت کے اعتبار سے ایسی ہے جیسے کسی عاشق سے کوئی مدت کا بچھڑا ہوا محبوب ملے اور دور ہی سے دیکھ کر یہ محبّ اس کو سلام کرے اور اس کے گلے سے لگا لینے کا متمنی ہو اور اس کی عین تمنا کے وقت وہ محبوب دوڑ کر اس کو گلے سے لگا لے اور اس قدر زور سے دبا دے کہ اس کی ہڈیاں بھی ٹوٹنے لگیں۔ اب میں اہل وجدان سے پوچھتا ہوں کہ اس دبانے سے عاشق کو کچھ تکلیف ہوگی یا نہیں؟ یقیناً یہ تکلیف ہوگی لیکن یہ ایسی تکلیف ہے کہ ہزاروں راحتیں اس تکلیف پر قربان ہیں۔ اگر عین اسی تکلیف کی حالت میں محبوب کہے کہ اگر تجھ کو کچھ تکلیف ہو تو چھوڑ دوں اور جو تیرا رقیب سامنے موجود ہے اس کو اسی طرح دبا لوں تو وہ کیا جواب دے گا؟ ظاہر ہے یہ جواب دے گا کہ ۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ۔۔۔ سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ تمہاری تلوار سے ہلاک ہو۔ دوستوں کا سر سلامت رہے کہ آپ اس پر خنجر آزمائی کریں)

اور یہ کہے گا کہ ۔

اسیرت نخواہد رہائی زبند ۔۔۔ شکارت نجوید خلاص از کمند

(اس کا قیدی قید سے رہائی نہیں چاہتا اس کا شکار جال سے رہائی نہیں ڈھونڈتا)

غرض اگر عشق و محبت ہے تو اس تکلیف کی اس کو ذرا پرواہ نہ ہوگی بلکہ اس میں ایک گونہ لذت ہوگی۔ یہ تجربہ کی بات ہے آپ اہل اللہ کی حالت کا مشاہدہ کر لیجئے کہ ان کو اس قلت مال و تنگی خرچ سے ذرا روحانی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ جس طرح آپ کو ان کی

ناداری پر رحم آتا ہے ان کو آپ کی مالداری پر رحم آتا ہے۔ حضرت شبلی صاحبؒ کسی متنعم کو دیکھتے ہوئے فرماتے: ”اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِيْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلاً“ (خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھ کو اس چیز سے عافیت میں رکھا جس میں تجھ کو مبتلا کیا ہے، مجھ کو اپنی مخلوق میں بہتوں پر فضیلت دی) تو آپ اہل اللہ پر ان کی ظاہری تکلیف کو دیکھ کر رحم کرتے ہیں مگر ان کو اپنے اوپر رحم نہیں آتا اس واسطے کہ وہ اس کو پریشانی ہی نہیں سمجھتے اور واقع میں یہ پریشانی نہیں ہے۔ میں پھر دعویٰ کرتا ہوں کہ متبع سنت کو بھی پریشانی نہیں ہوتی۔ اس کی ہر وقت یہ حالت ہوتی ہے:

کوے نومیدی مرو کامید ہاست　　　سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

(ناامیدی کی راہ نہ جاؤ بہت سی امیدیں ہیں تاریکی کی طرف نہ چلو بہت سے آفتاب ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سے ناامید نہ ہو بلکہ امیدیں رکھو)

اور امید وہ چیز ہے کہ جن لوگوں نے بی-اے پاس کیا ہے ان سے پوچھیے کہ امتحان کی تیاری میں کیا کیا مشقتیں اٹھائی ہیں، محض امید کامیابی پر کسی نے خوب کہا ہے:

اگر چہ دور افتادم بایں امید خورسندم　　　کہ شاید دست من بار دگر جاناں من گیرد

(اگر چہ میں محبوب سے دور پڑا ہوں اس امید میں خوش ہوں کہ شاید میرا محبوب میرا دوبارہ ہاتھ پکڑ لے)

خاص کر جو لوگ ایک دو مرتبہ فیل بھی ہو گئے ہیں ان پر تو یہ شعر خوب چسپاں ہے ان کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ نہ روٹی کی پرواہ نہ آرام کا خیال ہر وقت کتاب ہے اور وہ ہیں تو تعجب کی بات ہے کہ دس روپیہ کی ہوس میں روٹی اور آرام چھوڑنے والا تو عالی ہمت سمجھا جاوے اور کوئی اس کو مصیبت زدہ نہ سمجھے اور خدا تعالیٰ کا طالب اگر تنعم چھوڑ

دےتو وہ پریشانی میں مبتلا سمجھا جاوے غرض وہ دعویٰ ثابت رہا کہ ان لوگوں کو پریشانی نہیں ہوتی (یہاں تک کرنے کے بعد نماز عصر کے لیے سب مجمع اٹھا۔ بعد نماز عصر پھر بیان شروع ہوا تو فرمایا کہ)

متبع شریعت کو پریشانی نہ ہونے کا راز

میں نے تقریر کو اس مسئلہ پر چھوڑا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل کرنے والا ہر قسم کی پریشانی سے محفوظ رہتا ہے اور اس پر جو شبہ ہوا تھا اس کو بھی زائل کر دیا تھا۔ اب اگر اس کی وجہ بھی سمجھ لی جاوے تو بہتر ہے۔ سو اس کی ایک وجہ تو عقلی ہے اور ایک وجہ عشقی ہے عقلی وجہ تو یہ ہے کہ اس تعلیم میں ہر مفسدہ کی اصلاح ہے اور اس کو اہل انصاف نے گو وہ دوسری قوم کے ہوں تسلیم کیا ہے اور اگر کسی نے تعصب سے کام لے کر نہیں مانا ہے تو دوسروں نے اس پر رَد کیا ہے۔ دوسری وجہ ایک عشقی ہے کہ وہ دیوانوں کے سمجھنے کی ہے (اور اگرچہ واقع میں یہ درجہ بھی عقلی ہے مگر چونکہ اس کو عقلاء نے کم سنا ہے اس لیے اس کو عقلی نہیں کہا) اور وہ یہ ہے کہ عقلی قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی صاحبِ اقتدار کا مطیع ہوتا ہے وہ اس کو پریشانی سے بچاتا ہے تو خدا تعالیٰ سے زیادہ کون صاحبِ اقتدار ہوگا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل کرنے سے جو چونکہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں وہ ان کو ہر قسم کی پریشانی سے بچاویں گے۔ ہاں! اگر کوئی ایسی پریشانی ہوتی کہ وہ خدا تعالیٰ کے اختیار سے خارج ہوتی تو دوسری بات تھی مگر ساری دنیا کا مسلّم مسئلہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے اختیار سے کوئی چیز خارج نہیں البتہ اگر کوئی امر بظاہر پریشانی کا ہو لیکن واقع میں پریشانی نہ ہو تو اس سے حفاظت کا دعویٰ نہیں جیسے بچہ کی حفاظت ماں باپ کرتے ہیں لیکن اگر کسی عضو میں مادہ فاسد جمع ہو جاتا ہے تو اس کے اخراج کے لیے ماں

باپ نشتر بھی دلواتے ہیں بچہ سمجھتا ہے کہ ماں باپ میری بالکل حفاظت نہیں کرتے اور روتا ہے مگر بچہ اور مادر مشفق کی رائے میں فرق یہ ہے کہ۔

طفل مے لرزد زنیش احتجام　　　مادر شفق ازاں غم شاد کام

(بچہ نشتر لگانے سے لرزتا ہے مگر مشفق ماں اس سے مطمئن اور خوش ہوتی ہے۔)

تو یہ تکلیف واقع میں راحت ہے اور ایسی پریشانی تو کسی مدعا کی طلب میں کوئی بچ نہیں سکتا اور نہ بچنے کی کوشش کرتا ہے وہ عشقی وجہ یہ ہے کہ جو واقع میں عقلی بھی ہے اور میں محض عقلی وجہ پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ قرآن کریم سے بھی اس کو ثابت کرتا ہوں، فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾.

(جو محض اللہ سے ڈرے اللہ تعالیٰ اس کے واسطے کوئی راہ کردیں گے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی دیں گے کہ اس کا گمان بھی نہ ہوگا)

یہ وعدہ ہے خدا تعالیٰ کا غرض یہ دعویٰ اور عقل ہر دو سے ثابت مؤید ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل کرنے والا کسی پریشانی میں مبتلا نہیں ہوتا۔

نافرمانی کا اثر

اور جیسا اتباع میں یہ اثر ہے نافرمانی میں بھی یہ اثر ہے کہ نافرمان ہر دم پریشانی میں مبتلا رہتا ہے اور گو یہ اس کو راحت سمجھتے ہیں مگر واقع میں وہ پریشانی ہے۔

پریشانی کی حقیقت

اس لیے ضروری ہوا کہ میں اول پریشانی کی حقیقت بتلادوں۔ سو سمجھئے کہ

پریشانی کس کو کہتے ہیں؟ پریشانی کہتے ہیں تشویشِ قلب کو نہ کہ مشقت ظاہری کو۔ پس آپ دیکھ لیجئے کہ جو لوگ نافرمانی میں مبتلا ہیں ان کا قلب ہر وقت مکدّر اور مظلم رہتا ہے اور جس کا نام جمعیت ہے وہ ان کو ہرگز میسر نہیں ہوتی اور جس قدر بھی تعلقات دنیا زیادہ ہوتے چلے جاتے ہیں پریشانی بڑھتی چلی جاتی ہے اور اگر کسی کو اس کی بھی حس نہ رہے تو وہ امتحان کرے۔

جمعیت کی حقیقت

اور وہ امتحان یہ ہے کہ یہ شخص ایک ہفتہ بھر کے لیے فارغ ہو کر خلوص کے ساتھ ذکر اللہ کرے جب ایک ہفتہ گزر جاوے تو دیکھے کہ قلب میں کوئی نئی کیفیت محسوس ہوتی ہے یا نہیں انشاء اللہ ضرور محسوس ہوگی۔ اب اس کیفیت کو محفوظ رکھے اور خلوت کو چھوڑ دے اس کے بعد غفلت کے آثار میں تو خود ہی مبتلا ہو جاوے گا۔ پھر اس کے ایک ہفتہ بعد اس پہلی محفوظ کیفیت اور اس کے ابتلاء کے بعد کی کیفیت کو موازنہ کر کے دیکھے تو مقابلہ ہوگا کہ واقعی میں اس وقت پریشانی میں ہوں اور حالت کے سامنے ظلمت اور پریشانی نظر آوے گی اور حالت محفوظہ جمعیت اور نورانیت معلوم ہوگی یہ ہے اس کا امتحان اس سے انشاء اللہ تعالیٰ معلوم ہو جاوے گا کہ اہل دنیا سب پریشانی میں مبتلا ہیں اور بدوں امتحان اکثر کو اس کی حس نہ ہوگی کیونکہ جس نے کبھی جمعیت کو نہیں دیکھا وہ پریشانی کو کیا سمجھے وہ تو پریشانی ہی کو جمعیت سمجھے گا مگر اس کو جمعیت سمجھنا ایسا ہے جیسے ایک سرحدی دیہاتی نے اپنی ذلت کو عزت سمجھا تھا مشہور ہے ایک صاحب ہندوستان آئے حلوائی کی دوکان پر پہنچے تو دیکھ کر جی للچایا دام وام پاس نہ تھے آپ نے بغیر پوچھے اس سے بہت سا اٹھالیا اور کھا گئے۔ حلوائی نے نالش کر دی قاضی شہر نے یہ تعزیر تجویز کی کہ ان کو گدھے پر

سوار کر کے لڑکوں کو اس کے پیچھے پیچھے کرو کہ ڈھول بجاتے چلیں اور تمام شہر میں اسی حالت میں گشت کراؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب وطن واپس گئے تو اہل وطن نے پوچھا۔ آغا ہندوستان رفتہ بودی ہندوستان راچہ طور یافتی (آغا ہندوستان گئے تھے ہندوستان کیا پایا) آپ جواب دیتے ہیں آغا ہندوستان خوب ملک است انجا حلوا خوردن مفت است۔ سواری خر مفت است۔ فوج طفلاں مفت است۔ ڈم ڈم مفت است (آغا ہندوستان اچھا ملک ہے حلوہ کھانا مفت ہے گدھے کی سواری مفت ہے بچوں کی فوج مفت اور ڈم ڈم مفت ہے) تو جیسا ان صاحب کو اس کیفیت میں لطف آیا تھا ویسا ہی اس وقت تنعم پرستوں کو ہے کہ آج یہ حشم وخدم عزت اور سامان جمعیت معلوم ہوتا ہے ایک دن حقیقت کھلے گی کہ گدھا ران کے نیچے ہے لیکن سمجھ رہے ہیں کہ گھوڑے پر سوار ہیں کیونکہ گھوڑے پر سوار ہونا نصیب نہیں ہوا اگر کبھی گھوڑے پر سوار ہوں تو معلوم ہو کہ پہلے گدھے پر سوار تھے یا گرد وغبار میں گدھے گھوڑے میں امتیاز نہیں ہوا، اسی کو کہتے ہیں:

فَسَوْفَ تَرَیٰ إِذَا انْكَشَفَ الْغُبَارُ اَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ اَمْ حِمَارٌ

(عنقریب دیکھے گا تو جب غبار کھلے گا کہ تیرے قدم کے نیچے گھوڑا ہے یا گدھا)

تو جب یہ غبار غفلت کھلے گا اس وقت معلوم ہوگا کہ ران کے نیچے کیا چیز تھی۔

بہر حال مخالفت میں بھی کبھی جمعیت نہیں ہوتی۔ تو اس تمام تقریر سے معلوم ہوا ہوگا کہ عمل کتنی ضروری چیز ہے اور بے عمل کتنی پریشانی میں ہیں۔ پس عمل کی ضرورت تو اس سے ظاہر ہوگئی اور علم موقوف علیہ ہے عمل کا سووہ بھی اسی سے ضروری ٹھہرا۔

دو چیزوں کی ضرورت

غرض دو چیزوں کی ضرورت متحقق ہوئی علم کی اور عمل کی اور علم کے لیے تعلیم کی

ضرورت ہے اور عمل کے لیے تربیت کی ضرورت ہے اور ان دونوں کے لیے صحبت کی ضرورت ہے۔ پس صحبت اس درجہ کی ضروری ٹھہری۔

نیک صحبت بغیر اصطلاحی علم کے بقدر ضرورت کافی ہے

بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر کسی کو کتابی علم نہ ہو اور محض صحبت ہو تو بقدر ضرورت کفایت ہو جاتی ہے ہاں! اصطلاحی مولوی نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ کمال علمی تو بدون درس وتدریس کے نہیں ہوسکتا مگر ہاں بقدر ضرورت حاصل ہوسکتا ہے بلکہ اگر حافظہ اور تدین کامل ہو تو علم بھی صرف صحبت سے بدون تدریس کے حاصل ہوسکتا ہے چنانچہ اکثر صحابہ کرام کا علم زیادہ تر خالی صحبت سے بدون کتب و درس ہی کے تھا بعد کو چونکہ حالت بدل گئی اس لیے اس کی حفاظت کی غرض سے مدون کرنے کی ضرورت ہوئی کہ اگر مدون نہ ہوگا تو لوگ محفوظ نہ رکھیں گے یا ان کے دعویٰ حفظ یا صحت نقل پر اعتماد نہ ہوگا تو تدوین اور تدریس کی ضرورت لغیرہ ہے لعینہ نہیں ہے تو تعلیم والا تو صحبت سے مستغنی نہیں اور صحبت والا تعلیم کتابی سے مستغنی ہوسکتا ہے۔ یہ تو گفتگو تھی تعلیم کے موقوف ہونے میں صحبت پر۔

تربیت بھی صحبت پر موقوف ہے

اب دوسرا جز تربیت جس کی ضرورت تعلیم سے بھی زیادہ ہے، سو وہ بدون صحبت کے کسی درجہ میں بھی حاصل نہیں ہوسکتی کہ غیر اہل ملت نے بھی اس کی ضرورت سمجھی چنانچہ کالجوں میں جو بورڈنگ بنائے جاتے ہیں اور شہر کے بچوں کو بھی ان میں رکھا جاتا ہے محض اس لیے اساتذہ کے خواص طبعیت ان میں پیدا ہو جاویں اور یہ میں نے اس لیے نقل کیا کہ آج کل کے مذاق والے لوگ بھی مطمئن ہو جاویں ورنہ ہم کو غیر ملی لوگوں کے طرز عمل کے نقل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہم تو اس کو ایسا یقینی سمجھتے ہیں کہ جس میں

ذرا بھی شک نہیں کیونکہ ہم کوتو روز مشاہدہ ہوتا ہے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کی ذی علم لوگ میرے پاس اصلاح کے لیے آتے ہیں اوران کے اخلاق اچھے نہیں ہوتے اور وہ چاہتے ہیں کہ کچھ ذکر ومشاغل پوچھ کر چلے جاویں لیکن میں بجائے ذکر وشغل سکھلانے کے ان کو وہاں رہنے کا مشورہ دیتا ہوں اور وہ رہتے ہیں۔ چند روز تک اس مجمع میں رہنے سے کسی نہ کسی کی برکت سے ان کی حالت درست ہو جاتی ہے۔ اگر چہ وہ برکت کسی چھوٹے ہی کی ہو۔ اور اسی لیے بڑوں کو بھی ضرورت ہے۔ چھوٹوں کی کیونکہ ان کی برکت سے بڑوں کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم چھ ماہ یا سال بھر تک ہمارے پاس رہو اور یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی مگر پھر جب رہتے ہیں اور پہلی حالت میں تغیر شروع ہوتا ہے اور بات بات پر ان کو روکا ٹوکا جاتا ہے تو ان کی سمجھ میں آتا ہے کہ واقعی اس کی ضرورت تھی چونکہ ہم کو ایسے واقعے ہمیشہ پیش آتے ہیں اس لیے ہم کو تو اہل تمدن کے قول کے نقل کرنے کی ضرورت نہ تھی مگر چونکہ آج کل لوگوں کو بدون اس کے تسلی نہیں ہوتی اس لیے ان کی حکایت بھی نقل کر دی پس ہم کو دونوں جماعتوں کی ضرورت ہے ایک تو وہ جماعت جس سے تعلیم حاصل کریں، دوسری وہ جماعت جس سے تربیت ہو۔

ہر طبقہ کے لیے علم وعمل کی تحصیل کا دستور العمل

اب اس کے متعلق دستور العمل بتلا رہا ہوں سو اس دستور العمل میں تفاوت ہوگا۔ کیونکہ دو قسم کے لوگ ہیں۔

ناخواندں کا دستور العمل

ایک تو وہ جو کہ پڑھے لکھے نہیں ہیں ان کے لیے تو اور دستور العمل ہوگا اور وہ یہ

ہے کہ اگر ان کو فراغ ہو تو اول درس کتابی کے ذریعہ سے علوم کی تحصیل کرائی جاوے۔ اگر پورا عالم بھی نہ بنے تو کم از کم دو چار برس تک اسی کام میں لگا رہے اور ان چار برسوں میں کوئی دوسرا کام نہ ہو (یہ میری رائے ہے) شغل علم میں یہ حالت رہے کہ چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد (جب مرتا ہے مبتلا مرتا ہے جب اٹھتا ہے مبتلا اٹھتا ہے)

اب یہ آپ کو اختیار ہے کہ چاہے جتنی مدت تجویز کریں مگر کم از کم ایک سال ضرور ہو اور ایک سال کے بعد اگر علوم معاشیہ کی بھی حاجت ہو تو تعلیم دین و دنیا مخلوط رہے اور ان میں جو لوگ تکمیل کر سکیں ان کی تکمیل کرائی جاوے کہ اس کی بھی سخت ضرورت ہے جس کو لوگ بیکاروں کا کام سمجھتے ہیں۔ میرے پاس کلانور کے ایک شخص آئے میرے بھتیجے کے متعلق پوچھنے لگے وہ کیا کرتا ہے؟ میں نے کہا عربی پڑھتا ہے۔ کہنے لگے اس کے بعد انگریزی کا بھی ارادہ ہے میں نے کہا نہیں، کہنے لگے تو اس کو ترقی نہ کرائی جاوے گی کہ انگریزی پڑھ کر بڑے بڑے عہدے حاصل کرے۔ میں نے کہا کہ اگر سب اسی میں مشغول ہوں تو پھر دین کا خادم کون بنے گا، آخر اس کی بھی تو ضرورت ہے، کہنے لگے کہ اس کے لیے مدرسہ دیوبند سے ہر سال بہت لوگ نکلتے ہیں، میں نے کہا کہ سبحان اللہ! کیا انصاف اور خیر خواہی ہے اگر مولوی ہونا ترقی کی بات ہے تو میرے بھتیجے کے لیے کیوں نہ تجویز ہو اور اگر تنزل اور ذلت کی بات ہے تو دیوبند کے طالب علموں کے لیے کیوں تجویز ہو؟ کیا وہ قوم کی اولاد نہیں؟ غرض جو لوگ فارغ ہو سکیں ان کو پورا مولوی بنایا جاوے اور اس کے لیے امراء کے بچے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ غرباء معاش سے مستغنی نہیں ہو سکتے پس یا تو وہ دوسرے کام میں لگ کر علم کو ضائع کریں گے اور بعضے علم کو ذریعہ کسب بناویں گے جس کے بعد نہ ان کے وعظ میں اثر ہوگا نہ ان کے فتوے معتبر

سمجھے جاویں گے اور امراء مستغنی ہیں اس لیے ان کی اصلاحات کا اثر زیادہ ہوگا اس لیے امراء پر لازم ہے کہ اپنے بچوں میں سے ایک دو کو ضرور تکمیل علوم دینیہ کے لیے منتخب کریں مگر انتخاب کا وہ قاعدہ نہ ہو جو اب تک ہوتا چلا آ رہا ہے یعنی جو سب سے زیادہ غبی اور کند ہو اسی کو عربی کے لیے تجویز کر لیا۔ اور پھر خود ہی مولویوں پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ بے وقوف ہوتے ہیں۔

صاحبو! مولوی تو بے وقوف نہیں ہوتے، لیکن بے وقوف مولوی بنا دیئے جاتے ہیں۔ اب تم انتخاب اس طرح کرو کہ جو ذہین اور ذکی ہو اس کو مولویت کے لیے تجویز کرو پھر دیکھو کہ مولوی کیسے عقل منداور ہوشیار ہوتے ہیں مگر لوگوں کی تو حالت عام طور سے یہ ہوگئی کہ جو چیز کسی کام کی نہ ہو وہ اللہ میاں کے نام پر چڑھائی جاتی ہے۔ اللہ میاں کو جانے لوگوں نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ جو چیز کسی کے کام کی نہ ہو اللہ میاں کے نام پر اسی لیے کند و غبی کا اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے انتخاب کیا جاتا ہے تو اس انتخاب سے معاف کیجئے کیونکہ اس انتخاب میں پڑھنے والے کا تو نفع ہے لیکن قوم کا کوئی نفع نہیں۔ قوم کو ایسے لوگوں سے نفع ہو سکتا ہے کہ جو سیر چشم اور ذہین ہوں۔ یہ دستور العمل تو ان ناخواندہ لوگوں کے لیے ہوا جو کہ خواندہ ہو سکتے ہیں اور جو ناخواندہ لوگ بوجہ فراغ نہ ہونے کے باقاعدہ نہ پڑھ سکیں وہ کبھی کبھی علماء کے پاس جایا کریں اور ان سے علم دین کی باتیں پوچھا کریں اور آج کل لوگ علماء سے ملتے ہیں لیکن بہت ہی بری طرح یعنی ان کو اپنے مذاق کے تابع کرتے ہیں کہ اخبار میں یوں لکھا ہے اور وطن میں یہ خبر شائع ہوئی ہے۔

صاحبو! ان کو تو وطن اور وکیل کی ضرورت نہیں تم اپنے وطن کی خبر لو اور اپنے وکیل بنو، یعنی ان کے پاس جا کر اپنے افعال اور امراض سے ان کو مطلع کرو اور اس کی

اصلاح پوچھو۔ یہ تعلیم کی صورت ہے غیر فارغین کے لیے جب اس مختلف طریق سے علوم حاصل ہو جاویں پھر صحبت صالحہ کی تدبیر کرو۔ خود بھی صلحاء کے پاس جاؤ اور اپنے بچوں کو بھی علماء کے پاس لے جاؤ اور ان کو وہ باتیں سناؤ دیکھو اب بچے چھٹی میں آتے ہیں لیکن محض فٹ بال اور کرکٹ میں سارا وقت صرف ہوتا ہے کم سے کم ایک گھنٹہ روزانہ اس کے لیے ضرور دو کہ وہ کسی عالم کے پاس جا کر بیٹھا کریں۔ یہ سب تفصیل ہوئی ناخواندوں کے دستورالعمل کے متعلق۔

خواندہ حضرات کا دستورالعمل

اب دوسرے وہ لوگ ہیں کہ وہ بقدر کافی لکھے پڑھے ہیں اور علوم ضرورہ میں معتد بہ استعداد رکھتے ہیں کہ ان کو اصطلاحی مولوی کہہ سکتے ہیں اور وہ اس واسطے اپنے لیے ضرورت تعلیم کی یا تربیت کی بھی نہیں رکھتے۔ میں ان کے لیے یہ کہتا ہوں کہ گو وہ خود فاضل ہونے کے سبب علوم بدرجۂ اعتماد علماء کے معتقد نہ ہوں مگر علوم میں علماء سے مراسلت ضرور رکھیں۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ فلاں عالم سے پوچھو بلکہ یہ کہتا ہوں کہ سب سے پوچھو اور بہتر تو یہ ہے کہ مسائل علمیہ میں ہر ہفتہ چار مولویوں کے پاس خط بھیج دیا کرو اور ان کے جوابوں کا مقابلہ کر کے دیکھا کرو، ہم کسی خاص مولوی کا مقید نہیں کرتے اور مقابلہ کے وقت بدون رائے قائم کیے ہوئے دونوں کے جواب کو انصاف سے دیکھو اور اگر خدشہ رہے تو بدون اظہار نام ایک کے دلائل کو دوسرے کے سامنے پیش کرو اسی طرح اگر آپ کیا کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ تمام مسائل میں حق واضح ہو جاوے گا اور اگر بفرض محال کسی مسئلہ کی حقیقت واقعیہ مخفی بھی رہ گئی تب بھی آپ پر قیامت میں مواخذہ نہ ہوگا ورنہ سخت اندیشہ ہے اور جن کو مناسبت علوم سے اس درجہ کی نہیں اور وہ موازنہ اور مقابلہ

نہیں کر سکتے ان کے لیے یہ طریق ہے کہ وہ کسی ایک کو اختیار کر لیں جیسے کسی شخص کو طب سے مناسبت نہ ہو تو وہ اختلاف اطباء کے وقت کیا کرے گا اور اس کے لیے کیا مناسب ہے آیا دونوں کے نسخوں کو دیکھ کر ترجیح دینا یا اجمالی دلائل سے کسی ایک کو انتخاب کر لینا

دلا رامے کہ داری دل در و بندہ　　　دگر چشم زہمہ عالم فرو بند

(جس دل آرام یعنی محبوب سے تم نے دل لگا رکھا ہے اس کے لیے تمام دنیا سے آنکھیں بند کر لو)

اور یہیں سے یہ بھی حل ہو گیا ہو گا کہ اگر مولویوں میں آپس میں اختلاف ہو تو کیا کریں اور کس کے قول پر عمل کریں تو جواب یہی ہے کہ اطباء میں بھی تو آپس میں اختلاف ہوتا ہے پھر وہاں کیا کرتے ہو، یہی کرتے ہو کہ جو سب میں بڑا ہو اسی سے رجوع کرتے ہو، بڑا ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس نے کسی ماہر سے حاصل کیا ہو، مدت سے کام کر رہا ہو، اس کے ہاتھ سے اکثر لوگ شفایاب ہوتے ہوں تو جب علماء میں اختلاف ہو تو یہی دیکھو کہ کس کے شاگرد ہیں کتنے دنوں سے دین کی خدمت کرتے ہیں لوگوں کو ان سے کیسا فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اگر ایک کا استاد دین میں بڑا ماہر تھا اور یہ مدت سے دین کی خدمت بھی کر رہا ہے جو علامت ہوگئی مہارت کی۔ اس کے اصحاب دین کا پہلو بھی زیادہ لیے ہوئے ہیں جو بجائے دست شفائے طبیب کے ہے اور دوسرے میں یہ بھی بات نہیں تو پہلے کو لے لو۔ اور دوسرے کو چھوڑ دو، علماء میں انتخاب کا طریقہ ہے مگر یہ طریقہ ان کے لیے ہے جو قوت فیصلہ نہیں رکھتے باقی جو لوگ قوت فیصلہ رکھتے ہیں ان کو چاہیے کہ مفصل دونوں جگہ تحقیق کریں اور پھر موازنہ کریں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا یہ تو تعلیم کی بابت تھا۔

شیخ کامل کی علامات

اب رہ گئی ترتیب اس میں خواندہ ناخواندہ سب کا ایک ہی دستور العمل ہے وہ یہ کہ اس شخص کے لیے ایسے شخص کو انتخاب کریں جس نے اپنے اخلاق درست کر لیے ہوں اور اس کا اندازہ مشاہدہ علامات سے ہوسکتا ہے کہ متعدد مشائخ کو جا کر دیکھیں اور یہ کوئی مشکل بات نہیں۔ دیکھئے دنیا کے ایک سودے کے لیے شہروں میں مارے مارے پھرتے ہیں تو اگر بزرگوں کی تلاش میں بھی دو چار جگہ ہو آویں تو کیا مشکل ہے اور وہ علامات یہ ہیں کہ دیکھیں کون سا بزرگ ایسا ہے جو علم دین بقدر ضرورت رکھتا ہو اور علم پر عمل کرتا ہو اپنے متعلقین پر شفقت کے ساتھ احتساب کرتا ہو اور اس کی صحبت میں لوگوں کو دنیا سے دلبستگی نہ رہتی ہو اس کے پاس رہنے والے غالب دین دار ہوں جو شخص ایسا ملے کہ اس کے پاس آمدورفت رکھے اور جب موقع ملے چند روز تک اس کے پاس رہے اس کے اخلاق درست ہو جائیں گے کیونکہ جب پاس رہے گا تو دیکھے گا کہ اس نے چار موقع پر غصہ کو ضبط کیا ہے تو ایک جگہ خود بھی ضرور ضبط کرے گا۔ اور اسی طرح عادت ہو جاوے گی۔ اور اگر پاس رہنا ممکن نہ ہو تو ایسے شخص سے مراسلت ہی رکھو اپنے امراض لکھ کر بھیجو کہ مجھے حرص ہے طمع ہے بے استقلالی ہے پھر وہاں سے جو کچھ لکھ کر آوے اس پر عمل کرو۔ وہ حضرات تہذیب اخلاق کے لیے وظیفہ نہ بتلاویں گے بلکہ تدابیر بتلاویں گے اور گو وہ کتابوں میں بھی ہیں لیکن وہ مبتدی کو مفید نہیں ہوتیں اس لیے کہ کتابوں میں کلیات ہیں باقی اپنے حالات جزئیہ کا منطبق کرنا ان کلیات پر اس کے لیے فہم کافی نہیں تو یہ تربیت کا طریق ہے خواہ مجالست سے ہو یا مراسلت سے ہو اور یہ طریقہ جیسا کہ آپ کے لیے ہے آپ کے بچوں کے لیے بھی ہے اگرچہ وہ انگریزی وغیرہ ہی میں مشغول

ہوں اس حالت میں ایسا ہونا چاہیے کہ چھٹی میں کم سے کم ایک چوتھائی چھٹی کا ان بزرگوں کے پاس گزاریں۔ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ اگر سال بھر میں ایک ماہ بھی آپ کسی ایسے شخص کی صحبت میں رہ لیں گے تو ان کو نہ سائنس مضر ہوسکتا ہے نہ انگریزی۔ یہاں تک مردوں اور بچوں کی تربیت کا دستور العمل مذکور ہوا۔

عورتوں کا دستور العمل

اب رہ گئیں عورتیں! تو عورتوں کے لیے ایک تو یہ صورت ہے کہ اگر خاندان میں کوئی بزرگ عورت ہو تو ان کے پاس جا کر بیٹھیں اور اگر نہ ہو تو ان کو بزرگوں کے ملفوظات سناؤ اور زندہ بزرگوں کے حالات سناؤ اور ان کو ایسی کتابیں دو تا کہ وہ ان کو پڑھا کریں۔ علامہ غزالی علیہ الرحمۃ کی کتابیں سناؤ۔ میں نے اس کا تجربہ کیا ہے، بہت نافع ہوتی ہیں۔ یہ دستور العمل ہوا تعلیم و تربیت کا جن میں ایک کا تعلق علماء سے ہے دوسرے کا مشائخ سے۔

علماء و مشائخ میں عوام کی عیب جوئی کا جواب

اب ان دونوں جماعتوں کے متعلق لوگ ایک غلطی کرتے ہیں، وہ غلطی یہ ہے کہ ایک عیب تو علماء میں نکالا جاتا ہے کہ باعمل نہیں اور اس لیے ان سے علم بھی اخذ نہیں کرتے اور اسی طرح ایک عیب مشائخ میں نکالا جاتا ہے کہ عالمِ محقق نہیں اور اس لیے ان سے اپنی تربیت کا طریق نہیں حاصل کرتے۔ آپ چاہتے ہیں کہ آپ کو کوئی جامع شخص ملے تو ایسے جامع تو اب کم ملیں گے۔

صاحبو! اگر ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے برابر جامع نہ ملے تو کیا حرج اور اگر دین کی تحصیل میں ایسا ہی کمال شرط ہے تو پھر تحصیلِ دنیا میں بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ پس نوکری

بھی نہ کیا کرو کیونکہ سلطنت نہ ملی تو نوکری کیا ہوگی اور اس کے جواب میں کہو کہ وہ نہیں یہی سہی تو یہاں بھی کہوں گا کہ ابو حنیفہؒ نہیں تو آج کل کے مولوی ہی سہی۔ اس طرح مشائخ میں جنید بغدادیؒ کی تلاش ہوتی ہے وہاں بھی یہی جواب ہے نیز اگر جنید کو تلاش کرتے ہو تو تم بھی ان ہی کے مستفیدین جیسی طلب بھی تو پیدا کرو۔

صاحبو! یہ غنیمت سمجھو کہ تمہاری طلب کے موافق تو بزرگ مل گئے۔ غرض علماء میں تو یہ عیب نکالا جاتا ہے کہ علماء میں عمل نہیں ہوتا اور بعض کے اعتبار سے یہ سچ بھی ہے مگر اول تو سب علماء کو بے عمل سمجھنا غلطی ہے، بہت سے علماء باعمل بھی ہیں اور میں ان کا نام بھی بتلا دیتا مگر جب لوگ پوچھتے ہی نہیں تو میں کیوں بتلا کر بے قدری کروں اور اگر باعمل لوگوں میں بھی عیوب نکالے جائیں کہ فلاں عالم میں یہ عیب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہیچ نفسِ بشر خالی از خطا نبود (کسی بشر کا نفس خطا سے خالی نہیں ہے) دوسرے اگر بے عمل بھی ہوں تو دیکھو اگر حکیم محمود خان بد پرہیز ہوں، کیا ان سے نسخہ نہ لکھواؤ گے؟ ضرور لکھواؤ گے، اس تعلیم میں ان کے عمل کو کیا دخل ہے؟ ہاں! تربیت اگر ان سے نہ کراؤ تو گنجائش ہے مگر تعلیمِ علم کے لیے تو وہ کافی ہیں مثلاً اگر آپ ان سے رویۃ الہٰیہ یا جبر وقدر کا مسئلہ پوچھئے تو اس میں ان کے عمل کو کیا دخل۔ اور اسی قبیل کا شبہ علماء کے متعلق بھی ہے کہ علماء میں اختلاف ہے، ہم کس کی مانیں؟ تو میں کہہ چکا ہوں کہ قواعد سے ایک کو ترجیح دے کر اس کو مانو، جیسے اگر مختلف وکلاء کے پاس جاؤ اور وہ مقدمہ میں مختلف رائیں دیں تو اخیر ایک کو ترجیح دو گے، جب ہر امر میں یہی قاعدہ ہے تو دین میں ہی سارے شبہات کیوں کیے جاتے ہیں؟! اور ان قواعدِ ترجیح کا اوپر بیان ہو چکا ہے۔ غرض علماء چاہے بدعمل ہوں مگر ان سے علم حاصل کرو۔ اسی طرح مشائخ میں یہ عیب نکالا جاتا ہے کہ

پورے مولوی نہیں اور اس لیے شیوخ ایسے ڈھونڈتے ہیں جو پورے عالم بھی ہوں یعنی ان کی درسی کتابیں کل ختم ہوں۔

صاحبو! جس طرح تعلیمِ علوم میں پورے باعمل ہونے کی ضرورت نہیں اسی طرح تربیت میں پورے ہونے کی ضرورت نہیں، البتہ بقدرِ ضرورت علم ہونا ضروری ہے، ایسا نہ ہو جیسے ایک فقیر کی نسبت لکھا ہے کہ اس نے مجاہدہ کرنے کے لیے ایک نتھنے میں گو کی بتی دے رکھی تھی اور ایک آنکھ پر موم کی ٹکیا رکھ لی تھی کہ جب ایک آنکھ سے کام چلتا ہے تو دوسری کی کیا ضرورت اور ایک نتھنے سے پھولوں کی خوشبو سونگھتے ہیں تو دوسرے سے غلیظ سونگھ کر اس کی مکافات ہونی چاہیے۔ گویا اللہ میاں کو بھی آپ نے رائے دی تھی کہ دو آنکھیں فضول بنائی ہیں۔ اتفاق سے کوئی صحبت یافتہ علماء کا، اس کے پاس جا پہنچا اور اس کو اطلاع دی کہ تمہارا تو وضو نماز سب غارت ہے، آخر وہ بہت رویا اور اپنی اصلاح کی۔ اس لیے علم بقدرِ ضرورت تو ہونا ضروری ہے مگر کمال علم کی ضرورت نہیں۔ پس علماء کے علم کو دیکھو، عمل کو مت دیکھو اور مشائخ میں عمل کو دیکھو اور کامل علم کی تلاش مت کرو۔ البتہ اگر اتفاق سے کوئی ایسا مل جاوے کہ وہ عالم بھی ہو اور شیخ بھی، سبحان اللہ! اس کی تو وہ حالت ہے۔

بہارِ عالمِ حسنش دل و جان تازہ میدارد　　برنگ اصحابِ صورت رابہ بوار بابِ معنی را

(اس عالمِ حسن کی بہار ظاہر پرستوں کے دل و جان کو رنگ سے اور حقیقت پرستوں کے دل و جان کی بو سے تازہ رکھتی ہے)

تو پھر اسی ایک سے تعلق رکھو اور اگر ایسا نہ ملے تو دو سے تعلق رکھو اور دو کچھ زیادہ نہیں، دنیا کے لیے ہزاروں سے تعلق رکھتے ہو تو اگر دین کے لیے دو کے ناز اٹھالو تو کیا

تعجب ہے، اس تعلق دینی سے جو اصل مقصود ہے یعنی حق تعالیٰ وہ تو ایسا ہے کہ اگر اس کے لیے ہزار سے بھی تعلق رکھا جاوے اور ان کی ناز برداری کی جاوے تو کم ہے۔

کشند از برائے دلے بارہا خورند از برائے گلے خار ہا
طلبگار باید صبور و حمول کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول

(ایک دل کے لیے بہت سی تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔ ایک پھول کے لیے بہت سے کانٹے کھاتے ہیں، طالب چاہئے صبر کرنے والا اور مشقت برداشت کرنے والا، میں نے کسی کیمیا گر کو ملول نہیں دیکھا)

اور اسی میں بات بھی آ گئی کہ اگر ایک سے ناکامی ہوئی تو دوسرے سے رجوع کرو جیسے کوئی مریض کہ معالجہ میں اس کی یہ حالت ہوتی ہے۔

دست از طلب ندارم تا کامِ من بر آید یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن بر آید

(طلب سے باز نہ رہوں گا جب تک میرا مقصد پورا نہ ہو جائے یا تو تن محبوب حقیقی کے پاس پہنچ جائے یا جان تن سے نکل جاوے)

اسی کو کہتے ہیں۔

طلب گار باید صبور و حمول کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول

(طلب گار صبور و حمول چاہیے کہ ہم نے کیمیا گر کو ملول نہیں دیکھا)

عمر بھر اسی دھن میں رہو پھر ممکن نہیں کہ محروم رہو۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرو اے خواجہ درد نیست و نہ طبیب ہست

(ایسا کوئی نہیں کہ عاشق ہو اور محبوب نے اس کے حال پر نظر نہ کی ہو۔ اے صاحب! درد ہی نہیں، ورنہ طبیب ہے)

اوراسی دھن میں باقی رکھنے کے لیے فرماتے ہیں۔

اندریں رہ می تراش وی خراش تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

تا دمِ آخر دمیآخر بود کہ عنایت با تو صاحب سر بود

(اس طریق وصول الی اللہ میں ہمیشہ ادھیڑ بن میں لگے رہواور آخر وقت تک ایک لحظہ بھی فارغ مت رہو۔ آخر وقت تو کوئی گھڑی آخر ایسی ضرور ہوگی جس میں عنایتِ ربانی تمہاری ہمراز ورفیق بن جاوے گی)

یعنی کوئی وقت ایسا ضرور ہوگا کہ مقصود تک رسائی ہوگی۔اب میں ختم کرتا ہوں اور ہر چند کہ میں نے کہا تھا کہ میں ان علماء باعمل کے نام نہ بتلاؤں گا مگر یہی رائے ہوئی کہ بتلادوں لیکن اس لیے نہیں کہ خواہ مخواہ ان کے معتقد ہو جاؤ۔ میرے کہنے سے تو اس وقت معتقد ہو کہ میرے معتقد ہو،سو میں کہتا ہوں کہ آپ ہرگز میرے معتقد نہ ہوں، میں خود قابلِ اعتقاد نہیں،صرف مسائل بتلانے والا ہوں اور یہ کہنا میرا تواضعاً نہیں، نہ اس میں مجھے تواضع کرنے کی ضرورت ہے، جو چیز اپنے پاس ہے اس کو ظاہر کرتا ہوں۔ میں بحمد للہ علمِ ضروری جانتا ہوں، اس کے بتلانے کے لیے تیار ہوں۔ گو وہ کامل نہیں ہے، چنانچہ بہت سی باتیں مجھے معلوم بھی نہیں اور اگر مجھ سے کوئی ایسی بات پوچھی جاوے تو اس کے متعلق میں یہ کہہ دوں گا اور کہہ دیتا ہوں کہ میں نہیں جانتا۔ پس علمِ ضروری کا انکار نہیں اور قابلِ اعتقاد ہونے کا دعویٰ نہیں، اس لیے میں یہ نہیں کہتا کہ میرے کہنے سے ان بزرگوں کے معتقد ہو جاؤ۔ خود جانچو، دیکھو، سو اس غرض سے نام نہیں بتلایا بلکہ محض اطلاع مقصود ہے، سو وہ بزرگ یہ ہیں۔

چند مشائخِ کاملین

ایک مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری جو اسی جلسہ میں تشریف فرما ہیں، یہ

تو تربیت کے لیے کافی ہیں، دوسرے بزرگ حضرت مولانا محمود حسن صاحب کہ وہ افادۂ علم اور تربیت دونوں کے لیے کافی ہیں، تیسرے بزرگ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کہ وہ بھی تعلیم و تربیت دونوں کے لیے کافی ہیں۔ اور نام اس وقت میں نے نہیں لیے۔ میں نے ایک تنبیہات وصیت لکھی ہے اس میں چند بزرگوں کے نام لکھ دیے ہیں، آپ خود ان کا امتحان کر لیں۔ لیکن امتحان ایک دو دفعہ کے ملنے سے نہیں ہوتا، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کو اکثر لوگ خشک مزاج بتلاتے تھے کیونکہ یا تو کبھی ملے نہیں اور یا اگر ایک دو دفعہ ملے تو اتفاق سے ایسے وقت ملے کہ مولانا کسی دوسرے شغل یا احتساب میں مشغول ہوئے۔ بس اس ایک جگہ میں دیکھ کر عمر بھر کے لیے ایک غلط حکم کر دیا۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص سنے کہ فلاں جج صاحب بڑے خوش خلق ہیں اور یہ سن کر ان سے ملنے کو عدالت میں جاوے اور اتفاق سے ایسے وقت پہنچے کہ صاحب جج دو آدمیوں کو حبسِ دوام کا حکم سنا رہے ہوں اور دو کو پھانسی کا حکم سنا رہے ہوں تو یہ شخص یقیناً اس جج کو نہایت درجہ خونخوار سمجھے گا لیکن عقل مند آدمی کہے گا کہ بھائی! تم نے عدالت میں دیکھا، پھر اتفاق سے اس وقت سنگین مقدمات پیش تھے، ذرا ان کے بنگلہ پر جا کر تو دیکھو۔ اسی طرح بزرگوں کے پاس ایک وقت جا کر دیکھا اور کہہ دیا کہ نہایت خشک ہیں۔

صاحبو! کم از کم ایک ایک ہفتہ تک رہ کر تو دیکھو اور اگر پھر بھی سوائے اپنے کوئی پسند نہ آوے تو ہم اس کا علاج نہیں کر سکتے۔ شاید اس فہرست سے کسی کو یہ شبہ ہو کہ اپنے ہی سارے بزرگوں کا نام دے دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ملی بھگت ہے تو اول تو خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ ملی بھگت ہے یا کیا۔ دوسرے میں نے بیعت کرنا چھوڑ دیا ہے پھر ملی بھگت کا احتمال رہا۔ صرف جو مجھ کو معلوم تھا بتلا دیا۔ ہاں! یہ شبہ تو اب بھی رہا کہ بزرگوں کی تعریف کرنا

درحقیقت اپنی تعریف ہے کہ ہم بھی بزرگ ہیں کہ بزرگوں کو پہچانتے ہیں۔

مادحِ خورشید مداحِ خود است — کہ دو چشمِ و نا مرد است

(آفتاب کی تعریف کرنے والا خود اپنی تعریف کرنے والا ہے اس لیے کہ دونوں آنکھیں اس سے روشن ہیں)

سواس کا جواب یہ ہے کہ خیر! یہی سہی، آپ یوں ہی سمجھیں، اس سے ہم کیونکر بچیں۔ دوسرے آپ کو کیا خبر ہے کہ میں نے خود پہچان کر ہی کہا ہے تا کہ وہ شبہ ہو، ممکن ہے کسی بزرگ سے سن کر ہی کہا ہو اور اس کی بزرگی انتم شهداء الله في الأرض کے قاعدے سے متحقق ہوئی ہو، بہرحال آپ ان سب کو دیکھئے اور سب کا امتحان کیجئے۔

ما نصیحت بجائے خود کردیم — روز گارے دریں بسر بردیم

گر نیاید بگوشِ رغبت کس — بر رسولاں بلاغ باشد و بس

(ہم نے نصیحت بجائے خود کی ہے اور ایک زمانہ اس میں گزارا ہے، اگر کسی کو سننے کی رغبت نہ ہو تو رسول پر بس پہنچا دینا ہے، کوئی عمل کرے یا نہ کرے)

پس اس صحبت کے نافع ہونے کی بنا پر فرماتے ہیں کہ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو محروم نہ کیجئے، اور اپنے نفس کو ان کے ساتھ جمائیے۔ اب میں آیت کا خالی ترجمہ کر کے ختم کیے دیتا ہوں:

آیتِ متلو کا ترجمہ وتفسیر

ترجمہ یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کو ایسے لوگوں کے ساتھ جما کر بٹھلائیے جو اپنے پروردگار کو صبح وشام پکارتے ہیں۔ اور آپ کی آنکھیں ان سے ہٹنے نہ پاویں (یعنی آنکھیں بھی ادھر ہی متوجہ رہیں)۔ اس سے بھی میں ایک دوسرا مسئلہ استنباط کرتا ہوں، وہ

یہ ہے کہ بزرگوں کی توجہ سے بھی نفع ہوتا ہے، تو گویا اول جملہ میں تعلیم کا بھی اشارہ ہوا کہ پاس بیٹھنے سے احکام بھی حاصل ہوں گے اور دوسرے میں تربیت کا، آگے فرماتے ہیں:

﴿یُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ (دنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے) اس کو بعض نے مستقل جملہ کہا ہے۔ یعنی کیا آپ دنیا کی زینت چاہتے ہیں۔ مگر میں نے اس کو جملۂ حالیہ سمجھا ہے اور لاتعد میں منفی کو اس کا عامل اور عیناك کو بوجہ اقامتِ عین مقام ذات ذوالحال اور مقید کی نفی، یہاں قید اور ذی قید دونوں کے ارتفاع سے ہے یعنی جو عدوان بارادۂ زینتِ حیوٰۃِ دنیا ہو تا وہ متروک ہے۔ اس طرح سے کہ عدوان ہے، نہ ارادۂ زینت، پس اس سے وقوع زینت کا لازم نہیں آتا۔ آگے دوسری نہی ہے:

﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾

یعنی اس کا کہنا نہ مانو جن کو ہم نے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور اس نے اپنی ہوائے نفسانی کا اتباع کیا اور اس کا کام حد سے نکلا ہوا ہے۔ یہاں سے ایک تیسری بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ مشورہ بھی ایسے شخص کا قبول کرے جس کی یہ حالت نہ ہو۔

﴿اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ﴾ الخ (ہم نے اس کے دل کو غافل کر دیا ہے) کیونکہ بے دین کے مشورہ میں بھی برکت نہیں ہوتی۔ چنانچہ رؤساء کفار کے اس مشورۂ تخصیصِ مجلس کے قبول سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ممانعت فرمادی۔ خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ اس میں تعلیم اور تربیت دونوں کا بذریعۂ صحبت نافع ہونا بتلایا ہے اور شیوخ کا بھی علاج کر دیا ہے کہ آپ بھی بے پروائی نہ کریں، سبحان اللہ! کیا عجیب جامع جملہ ہے۔ اب میں ختم کر چکا۔

خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے وہ فہمِ سلیم اور توفیقِ عمل کی بخشیں۔ آمین ثم آمین!

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے خلفاء عظام

☆.....مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سابق مفتیٔ اعظم دارالعلوم دیوبند و بانیٔ دارالعلوم کراچی
☆.....حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند
☆.....مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب شروانیؒ، جلال آباد، انڈیا
☆.....حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب غوریؒ
☆.....حضرت علامہ سید سلیمان صاحب ندویؒ
☆.....حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ (بانیٔ جامعہ اشرفیہ لاہور)
☆.....حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ، بانیٔ خیر المدارس، ملتان
☆.....عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفیؒ
☆.....حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ
☆.....حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوریؒ، الٰہ آباد
☆.....حضرت مولانا پروفیسر محمد عیسیٰ صاحب الٰہ آبادیؒ
☆.....حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رامپوریؒ، ناظم مظاہر العلوم، سہارنپور
☆.....حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوریؒ، صدر مدرس، مظاہر العلوم، سہارنپور
☆.....استاذ الکل حضرت مولانا رسول خاں صاحب ہزارویؒ، شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، لاہور
☆.....حضرت مولانا حافظ جلیل احمد صاحب شروانی، علیگڑھیؒ، بانیٔ مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان
☆.....محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ، ناظم دعوت الحق انڈیا
☆.....حضرت علامہ محمد یوسف صاحب بنوریؒ، جامعہ اسلامیہ، نیوٹاؤن، کراچی
☆.....حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ ساہیوال ضلع سرگودھا
☆.....حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوریؒ
☆.....حضرت مولانا حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوریؒ
☆.....حضرت مولوی نجم احسن صاحبؒ پرتاب گڑھ
☆.....حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ
☆.....حضرت مولانا حاجی شیر محمد صاحب مہاجر مدنیؒ
☆.....حضرت ماسٹر محمد شریف صاحب، ہوشیارپوریؒ
☆.....حضرت مولانا احمد علی صاحب فتحپوریؒ
☆.....حضرت مولانا محمد صاحب چاٹگامیؒ
☆.....حضرت مولانا نور حسین صاحبؒ، اڈارنہ، ضلع جہلم
☆.....حضرت مولانا عبدالحق صاحب موہن پوریؒ
☆.....حضرت حکیم محمد یوسف صاحب بجنوریؒ
☆.....حضرت حکیم نور احمد صاحب کانپوریؒ
☆.....حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب، بکھراویؒ
☆.....حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب اعظم گڑھیؒ

☆......حضرت منشی محمد سلطان صاحب مدراسیؒ
☆......حضرت حاجی محمد مصطفیٰ صاحب خورجویؒ
☆......حضرت مولانا پروفیسر محمد عیسیٰ صاحبؒ، بنارس
☆......حضرت مولانا شاہ لطفِ رسول صاحب فتحپوریؒ
☆......حضرت مولانا حافظ محمد عمر صاحبؒ، نہٹوری، علی گڑھ
☆......حضرت شیخ محمد معشوق علی صاحب قنوجیؒ
☆......حضرت مولانا محمد صادق صاحبؒ، مالیگاؤں، ضلع ناسک
☆......حضرت صوفی رحیم بخش صاحبؒ، دہلی (للعوام)
☆......حضرت مولانا عبدالحی صاحب سہارنپوریؒ، حیدآباد
☆......حضرت خیرات احمد خاں صاحبؒ، سونڈھیا ضلع گیا
☆......حضرت مولانا ابوالحسن صاحبؒ، جونپور
☆......حضرت حاجی محمد یوسف صاحب رنگونیؒ
☆......حضرت مولانا ابوبکر صاحب ارکانیؒ
☆......حضرت سید فیروز شاہ صاحب، مندوریؒ ضلع پشاور
☆......حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب بریلویؒ
☆......حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب بردوانیؒ
☆......حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانیؒ
☆......حضرت حسن الدین صاحب مدراسیؒ
☆......حضرت مولانا غلام صدیق صاحبؒ، ڈیرہ غازی خاں
☆......حضرت مولانا سید محمد اسحاق صاحب کانپوریؒ
☆......حضرت مولانا افضل علی صاحب بارہ بنکیؒ
☆......حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب اعظم گڈھیؒ
☆......حضرت مولانا مفتی واحد بخش صاحب بہاولپوریؒ
☆......حضرت حاجی شمشاد علی صاحب کلانوریؒ
☆......حضرت محمد عبداللہ صاحب بھوپالیؒ
☆......حضرت سید فخر الدین شاہ صاحب، گھوٹکیؒ (سندھ)
☆......حضرت مولانا صغیر صاحبؒ، کمرلہ، بنگال
☆......حضرت مولانا عبدالحمید صاحب وزیرستانیؒ
☆......حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ میمن سنگھ بنگال بنگلہ دیش
☆......حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب سلطانپوریؒ، (للعوام)
☆......حضرت مولانا نذیر احمد صاحب کرنالویؒ
☆......حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ، الہ آباد
☆......حضرت مولانا قاضی عبدالسلام صاحب، پشاوریؒ
☆......حضرت مولانا محمد موسیٰ صاحب مہاجر مدنیؒ
☆......حضرت مولانا محمد سعید صاحب مدراسیؒ

☆......حضرت مولانا نذیر احمد کیرانویؒ
☆......حضرت مولانا مقصود اللہ صاحبؒ، بریسال بنگال
☆......حضرت مولانا سراج احمد خاں صاحب امروہویؒ
☆......حضرت مولانا ممتاز احمد صاحبؒ، سونڈھیا، گیا، بہار
☆......حضرت مولانا منشی حقدار خاں صاحب لکھنویؒ
☆......حضرت مولانا عبدالجبار صاحب فیروز پوریؒ
☆......حضرت ولی اللہ صاحب کیمل پوریؒ
☆......حضرت مولانا محمد نبیہ صاحبؒ، ٹانڈہ مالی، مراد آباد
☆......حضرت مولانا محمد صاحب امروہویؒ
☆......حضرت نواب احمد علی صاحب سہار نپوریؒ
☆......حضرت حکیم کرم حسین صاحب سیتاپوریؒ
☆......حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ، میو آئمہ الہ آباد
☆......حضرت حاجی محمد عثمان دہلویؒ، تاجر کتب
☆......حضرت ماسٹر قبول احمد صاحب، سیتاپوریؒ
☆......حضرت شہاب الدین صاحب، خیاط کٹھوریؒ (للعوام)
☆......حضرت حکیم عبدالخالق صاحب، ہوشیاری پوریؒ
☆......حضرت ماسٹر ثامن علی صاحب سندیلویؒ
☆......حضرت حافظ عنایت علی صاحب لدھیانویؒ (للعوام) گوجرانوالہ
☆......حضرت مولانا ولی محمد صاحب گورداسپوریؒ
☆......حضرت مولانا عبدالواحد صاحب پشاوریؒ
☆......حضرت مولانا نور بخش صاحب چاٹگامیؒ
☆......حضرت مولانا حکیم الٰہی بخش صاحبؒ، شکار پور، سندھ
☆......حضرت ماسٹر شیر محمد صاحب، ہوشیار پوریؒ
☆......حضرت حافظ ولی محمد صاحبؒ، قنوج فرخ آباد
☆......حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب، شاہجہانپوریؒ
☆......حضرت حکیم فضل اللہ صاحب، شکار پوریؒ
☆......حضرت بابو عبدالعزیز صاحبؒ، گوجرانوالہ
☆......حضرت مولانا محمد اللہ صاحب، نواکھالویؒ المعروف حافظ جی حضور
☆......حضرت حکیم خلیل احمد صاحب، سہار نپوریؒ
☆......حضرت محمود الغنی صاحب، سہار نپوری، حیدر آبادیؒ
☆......حضرت مولانا حامد حسن صاحبؒ، تھانہ بھون
☆......حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب، ہاٹ ہزارویؒ، بنگلہ دیش